سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ
کا
مقامِ قربت و معیت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کا
مقامِ قربت و معیت

خصوصی خطاب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز
365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140
یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695
www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	**سیدنا صدیق اَکبر رضی اللہ عنہ کا مقامِ قربت و معیت**
خصوصی خطاب	:	**شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری**
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر علی اَکبر الازہری، شیخ عبدالعزیز دباغ
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ **Research.com.pk**
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	مارچ 2009ء
تعداد	:	**1,100**
قیمت	:	

۞ ۞ ۞

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز کی کیسٹس اور **CDs** سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

بسم الله الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

وَالْآلِ وَالصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِیْنَ فَهُمْ

أَهْلُ التُّقَی وَالنُّقَی وَالْحِلْمِ وَالْکَرَمِ

ثُمَّ الرِّضَا عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعَنْ عُمَرَ

وَعَنْ عَلِيٍّ وَّعَنْ عُثْمَانَ ذِي الْكَرَمِ

﴿ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ ﴾

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/ ۹۷۰-۳۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں وکشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرس

صفحہ	عنوانات
۹	پیش لفظ
۱۲	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کانفرنس کا تاریخی پس منظر
۱۴	شانِ صدیق رضی اللہ عنہ میں نازل ہونے والی آیات
۱۴	آیہ مذکورہ کا سیاق و سباق
۱۵	آیۂ مبارکہ کے مضامین
۱۶	سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی اِمتیازی شان
۱۷	صحابیتِ صدیق رضی اللہ عنہ سے اِنکار صریحاً کفر ہے
۱۹	مضاف اور مضاف اِلیہ کا ایمان اَفروز تعین
۲۱	اِثْنَیْن میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولیت ...... پہلی توجیہ
۲۱	دوسری توجیہ
۲۴	ثَانِیَ اثْنَیْن کی دوسری تفسیر
۲۴	ھُمَا کی ضمیر سے معیتِ دائمی پر استدلال
۲۶	اِیثارِ نفس سے فنائیت کا حصول

صفحہ	عنوانات
۲۸	فنا کے بعد بقاے دوام کا اِنعام
۲۹	معیت کی دو اَقسام
۳۰	مخاطب کی بجائے متکلم کا صیغہ کیوں؟
۳۲	سکینۃ کا نزول کس پر ہوا؟
۳۵	شیعہ مفسرین کی آراء
۴۱	توجہ اِتحادی کا خصوصی فیضان
۴۲	صوفیاء اور اَولیاء کی توجہ
۴۵	کتے پر توجہ اتحادی اور معیت کے اثرات
۵۰	میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قدومِ مدینہ میں مماثلت
۵۱	غارِ ثور میں قیام کا فیصلہ کیوں فرمایا؟
۵۵	خصوصی حالات کے لیے خصوصی تیاری
	سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر توجہ اِتحادی کے مظاہر
۵۷	
۶۱	معیت کے ساتھ اِستقامت

پیش لفظ

تحریک منہاج القرآن نے ہمیشہ اپنے فکر و عمل سے اعتدال و توازن کا درس دیا ہے۔ بانی و سرپرست اعلیٰ تحریک، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کی تعبیرِ دین، محبت امن اور علم گزشتہ دو عشروں سے دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے۔ یہ آج کی بات نہیں جب شرق و غرب میں ''دہشت گردی'' کی دھوم مچی ہوئی ہے اور ہر شخص محبت اور امن کی تلاش میں سرگرداں ہے بلکہ شیخ الاسلام نے محبت، امن اور علم کا قرآنی منشور (منہاج القرآن) اس وقت عام کرنا شروع کر دیا تھا جب ربع صدی قبل پوری دنیا میں دو عالمی سامراجی نظام روبہ عمل تھے۔ ابھی سرد جنگ کا خاتمہ ہوا تھا نہ امریکہ نے ''نیو ورلڈ آرڈر'' جاری کیا تھا۔ نہ 9/11 کا خونی ڈرامہ وقوع پذیر ہوا تھا اور نہ امریکہ، بھارت اور اسرائیل کی طاغوتی تکون مسلمانوں کی نسل کشی کے لئے متحرک ہوئی تھی۔ اس وقت ان کے صلح پسند، علم پرور، محبت آمیز اور امن دوست پیغام کو نقار خانے میں طوطی کی آواز سمجھا جا رہا تھا۔ بعض حلقوں میں اسے مصلحت اندیشی اور ''غیر جہادی'' کاوش تصور کیا گیا مگر بہت جلد وقت اور حالات نے ثابت کر دیا کہ ''روح عصر'' کی پکار یہی ہے۔

داعئ امن کی اس پکار کا دوسرا میدان منتشر اور دست و گریباں اُمت مسلمہ ہے جو مذہبی تفرقہ اور مسلکی کشاکش کے ہاتھوں چور چور ہے۔ اسے سیاسی زوال کے تحفہ میں ملنے والی معاشی ابتری، سیاسی عدم استحکام اور مذہبی منافرت نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ برصغیر پاک و ہند کی سرزمین پر مذہبی منافرت کے یہ شعلے بوجوہ کچھ زیادہ بھڑکتے رہے ہیں جن کی زد میں پڑوسی مسلمان ممالک بھی جھلس چکے ہیں۔ غور کیا جائے تو اس مذہبی منافرت کی تہہ میں خوارج اور روافض کی وہی دیرینہ چنگاریاں نظر آتی ہیں جو اوائل اسلام میں دکھائی

گئی تھیں۔ ان دو مخالف انتہاؤں کا تسلسل کسی نہ کسی طرح آج بھی موجود ہے۔ دونوں طرف کی نیم خواندہ، مفاد پرست اور جذباتی مذہبی قیادت شعوری اور غیر شعوری طور پر ان شعلوں کو ہوا دے کر اپنے حلقۂ ارادت میں افراد کے اضافے کو ہی دینی خدمت اور ''جہاد'' قرار دیتی رہی ہے۔ عالمی اور قومی سطح پر دین دشمن قوتیں ہمیشہ ان شعلوں کو ہوا دے کر بھڑکانے والوں کی حوصلہ افزائی کرتی رہی ہیں۔ اس لیے منافرت پھیلانے والوں میں کم و بیش ہر مکتبۂ فکر برابر کا شریک ہے۔

اس گئے گزرے دور میں یہ سعادت اور توفیق اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمارے قائد و مربی حضور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کو عطا فرمائی ہے کہ وہ صدیوں سے جاری ان اختلافات کی شدت کو نبوی دانش و بصیرت کے ساتھ کم کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ یہ اختلافات ختم نہ بھی ہوں تو کم از کم خون آشامی اور جگ ہنسائی کا باعث نہیں ہونے چاہئیں۔ الحمدللہ تحریک منہاج القرآن - وطن عزیز سمیت شرق و غرب میں اپنی عظیم و جلیل عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داعیِ امن اور بیدار مغز عبقری قیادت کی زیر سرپرستی محبت و مودّت کی بستیاں آباد کر رہی ہے۔

اہل علم و فکر جانتے ہیں کہ ان اختلافات کا ایک سرا اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے منسوب غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے جبکہ دوسرا سرا اہل بیتِ اطہار سے متعلق گستاخی بے ادبی اور دریدہ ذہنی پر مبنی جسارتوں سے زہر آلودہ ہے۔ مفکر اسلام علامہ محمد اقبال نے اسی روش سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا تھا:

اے گرفتارِ ابوبکر رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ ہوشیار باش......لیکن اعتقادی جنگ میں جتی ہوئی عوام اپنے اپنے ''سپہ سالاروں'' کے پرچم تھامے صدیوں سے ان محاذوں پر مورچہ بند ہیں۔ یہ کتنی افسوسناک بات ہے کہ اپنی اس جنگ میں ہم عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معصوم، مقدس اور برگزیدہ شخصیات کو بھی جھونکنے سے باز نہیں آتے۔ ہمارے تعصّبات کی

آگ ان پاکیزہ ہستیوں کے تقدس کو بھی جلانے سے نہیں کتراتی۔ گزشتہ سال اسی سلسلۂ خدمت اورتحریکِ محبت و امن کو آگے بڑھاتے ہوئے منہاج القرآن علماء کونسل کے پلیٹ فارم پر بالترتیب سیدنا علی کرم اللہ وجھہ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت و سیرت اور فضائل و کمالات کو ٹھوس علمی پیرائے میں منظر عام پر لانے کی انتہائی کامیاب کاوشیں ہوئیں۔ دانشِ عصرِ حاضر مجدد دین وملت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری طال اللہ عمرہ نے رشد ومحبت کے ان دونوں سرچشموں کی اہمیت جس طرح آشکار کی وہ قدرت نے انہی کے حصے میں لکھا تھا۔ ہزاروں علماء دانشور اور مصنف ہر دور میں اپنے اپنے علم و فکر کا نذرانہ ان بارگاہوں میں پیش کرتے رہے ہیں مگر علم و تحقیق کو وجدان و عرفان کی جن رفعتوں سے آپ نے سرفراز کیا اس کی مثال بلاشبہ پوری تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ دونوں موضوعات پر خطاب کے دوران اجتماعات میں بیٹھنے والے اہل علم خواتین وحضرات وجد و سرور کی جس کیفیت میں ڈوب کر سنتے رہے اس کا اظہار الفاظ و بیاں کے پیمانوں میں تو نہیں سمویا جاسکتا لیکن اس کے اثرات و نتائج گلزاروں کی صورت مہکتے ضرور نظر آ رہے ہیں۔ صدیقی اور علوی عقیدت کے دونوں دبستان دراصل فیض نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرچشمے سے فیضیاب ہیں۔ دین کی خدمت، اِن سرچشموں سے محبت کی سرشاریوں کو عام کرنے سے عبارت ہے نہ کہ اِن کے درمیان مغائرت و منافرت کے خود ساختہ زہریلے تصورات کو ہوا دینے میں۔

زیرِ نظر کتابچہ ’’سیدنا صدیق اکبر کا مقام قربت ومعیت‘‘ حضور سیدی شیخ الاسلام کے اس وجدانی خطاب کی کتابی ترتیب ہے جو آپ نے سورۂ توبہ کی آیۃ مبارکہ کے متعلقہ قرآنی کلمات کی تفسیر میں ارشاد فرمایا۔ حسب پروگرام اِس خطاب میں ان تمام آیات قرآنی کا احاطہ کرنا مطلوب تھا جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں مگر ہمیشہ کی طرح ...... وقت کا دامن تنگ ہوگیا اور ...... خیالات کی آبشار ایک ہی آیت کے معانی

اُگلتی رہی۔ اس خطاب کا دورانیہ تقریباً ۴ گھنٹے تھا اور کانفرنس میں ہر مکتبہ فکر کے علماء اور ہر طبقہ زندگی کے سامعین تشریف فرما تھے۔ اس ملک گیر اجتماع میں جگر گوشہ غزالیٔ زماں حضرت صاحبزادہ علامہ ارشد سعید کاظمی شیخ الحدیث انوار العلوم، ملتان سے خصوصی شرکت کیلئے تشریف لائے اور افتتاحی خطاب فرمایا۔ ابھی موضوع پر بقیہ آیات مبارکہ کے حوالے سے گفتگو ہونا باقی ہے، دیکھئے وقت تشنگان علم و معرفت اور متلاشیان محبت و مودّت پر پھر کب مہربان ہوتا ہے۔

(ڈاکٹر علی اکبر الازہری)

ڈائریکٹر FMRi

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ رَّسُوۡلِهِ النَّبِیِّ الۡاَمِیۡنِ الۡمَکِیۡنِ الرَّؤٗفِ الرَّحِیۡمِ. اَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ط

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ هُمَا فِی الۡغَارِ اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللهَ مَعَنَا ج فَاَنۡزَلَ اللهُ سَکِیۡنَتَهٗ عَلَیۡهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ کَلِمَةَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا السُّفۡلٰی ط وَکَلِمَةُ اللهِ هِیَ الۡعُلۡیَا ط وَاللهُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ○[۱]

’’اگر تم ان کی (یعنی رسول اللہ ﷺ کی غلبہ اسلام کی جد و جہد میں) مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوا) سو بے شک اللہ نے ان کو (اس وقت بھی) مدد سے نوازا تھا جب کافروں نے انہیں (وطنِ مکہ سے) نکال دیا تھا درآنحالیکہ وہ دو (ہجرت کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے جبکہ دونوں (رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) غار (ثور) میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے فرما رہے تھے: غمزدہ نہ ہو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرما دی اور انہیں (فرشتوں کے) ایسے لشکروں کے ذریعہ قوت بخشی جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور اس نے کافروں کی بات کو پست و فروتر کر دیا، اور اللہ کا فرمان تو (ہمیشہ) بلند و بالا ہی ہے، اور اللہ غالب، حکمت والا ہے○‘‘

---

(۱) التوبة، ۹: ۴۰

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کانفرنس کا تاریخی پس منظر

واقعہ یہ ہے کہ امت کی تاریخ کے اوائل دور میں ہی مسالک وجود میں آ گئے جن کی ابتداء سیاسی اختلافات سے ہوئی۔ امت میں ان اختلافات کا بہت بڑا سبب جو آگے چل کر اعتقادی شکل اختیار کر گیا، فتنۂ خوارج تھا چونکہ یہ فتنہ بعض اکابر صحابہ اور خصوصاً سیدنا مولا علی شیر خدا کی مخالفت پر اُبھرا رہا تھا اس لئے لامحالہ اس کا ردعمل ہوا۔ اس ردِعمل میں شیعان علی وجود میں آ گئے۔ خوارج کی طرف سے ایک تو آئمہ اہل بیت اطہار کے خلاف اموی دور میں اور بعد ازاں پھر بنوعباس کے دور میں سیاسی مقاصد کے تحت مہم چلی تو دوسری طرف خلفائے راشدین، ازواج مطہرات اور دیگر اکابر صحابہ کرام کے خلاف بھی پروپیگنڈا ہوا۔ صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور اہل بیت اطہار کو دو مخالف گروہوں کی شکل میں پیش کیا جانے لگا۔ فرضی اور من گھڑت روایات کا سلسلہ شروع ہوگیا اور یوں پہلی مرتبہ حدیث نبوی اور تاریخ میں وضع کا فتنہ داخل ہوا۔ اسی طرح مسالک اور فِرق کی تاریخ رفتہ رفتہ موضوع، روایات، الزامات اور اتہامات سے لبریز ہوگئی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اعتدال انتہا پسندی اور تشدد میں بدلتا گیا اور نہ صرف یہ فِرق ایک دوسرے سے دور ہوئے بلکہ اُمَّةً وَّسَطًا کی شان رکھنے والی ملت باہم دست و گریبان ہوگئی۔ ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں۔ ان دونوں انتہاؤں میں بٹ جانے والے طبقوں کے علاوہ اہل اسلام کی ایک بڑی اکثریت مسلک اعتدال پر قائم رہی جسے ''سوادِ اعظم'' کہا جاتا تھا۔ یہ اعتدال پسند اکثریتی طبقہ خوارج اور شیعہ کے درمیان رہا۔ مسلک اعتدال پر گامزن یہ سوادِ اعظم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ کا مصداق تھا جس میں آپ نے امت کی اکثریت کے لئے گمراہی سے بچے رہنے کی خوشخبری بھی دی تھی۔

حضرت انس سے مروی حدیث نبوی کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ اُمتی لا تجتَمِعُ عَلی ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيتُم إِخْتِلَافًا فعليكم

بالسّوادِ الأعظم.(۱)

’’میری اُمت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہوگی، لہٰذا جب تم اِختلاف دیکھو تو بڑی جماعت کے ساتھ ہو جاؤ۔‘‘

چنانچہ دونوں طرف کی انتہاؤں میں تصادم کے کئی دور آئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ آج بھی امت کے افتراک و انتشار کا سبب یہی مذہبی انتہا پسندی ہے۔ اس کی چنگاریاں ہمارے ہاں بھی مختلف شکلوں میں سلگتی نظر آتی ہیں۔ ہم نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ ان چنگاریوں کو شعلے نہ بننے دیا جائے اختلافات کی شدت کو کم کیا جائے اور امت کو قرآن و سنت کی روشنی میں اصل صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔

اِس تناظر میں میرے گزشتہ سال (۲۰۰۸ء) کے قیام کے دوران دو اجتماعات اور دو خطابات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ پچھلے دنوں جب سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان اقدس کے خلاف ایک روایت کا سہارا لے کر گستاخی کی گئی تو اللہ تعالیٰ کی توفیقِ خاص سے ہم نے اس کا بھرپور تعاقب کیا۔ جرح و تعدیل، علم الاسناد اور اسماء الرجال کے علم اور حدیث کے جمیع متعلقات کی روشنی میں دو راتوں کی نشستوں میں میرا گیارہ گھنٹے کا خطاب ریکارڈ ہوا۔ وہ سیدنا مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی شان اقدس اجاگر کرنے اور آپ کی شان میں گستاخی کے اس نئے فتنہ کے تدارک کے لئے بڑی اہمیت کا حامل اجتماع تھا جو اس مرکز میں دو شب جاری رہا۔

اسی طرح دوسری سمت بھی فکر میں انتہا پسندی اور بعض جہتوں میں گمراہی کا تدارک کرنے کے لئے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی سے منسوب یہ کانفرنس بغض صحابہ پر مبنی عقیدہ کو درست کرنے اور اسے اعتدال اور صحت پر لانے کے لئے بڑی اہمیت

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الفتن، باب السواد الأعظم، ۲: ۱۳۰۳، الرقم: ۳۹۵۰

۲۔ ابن أبي عاصم، السنة: ۴۱، الرقم: ۸۴

کی حامل ہے۔ اس پر بھی میں منہاج القرآن علماء کونسل کو دلی مبارک باد دیتا ہوں۔

شانِ صدیق رضی اللہ عنہ میں نازل ہونے والی آیات

میں نے اپنی گفتگو کی ابتداء میں سورۃ توبہ کی چالیسویں آیہ کریمہ کی تلاوت کی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں تقریباً پندرہ (۱۵) آیات قرانی نازل ہوئیں۔ آپ کی شان کا دفاع قدر و منزلت کا علو، آپ کی سوچ اور فکر کی موافقت اور آپ کے ساتھ اللہ رب العزت کی شفقت و ملاطفت ان ۱۵ آیات قرآنی کے نزول کے اسباب بنے۔ ان آیات کی تعداد زیادہ ہوسکتی ہے، کم نہیں۔ ان میں سب سے اہم آیت جو قرآن مجید میں شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بیان کے لئے بڑی نمایاں اہمیت کی حامل ہے، سورہ توبہ کی یہی آیت ہے۔

آیہ مذکورہ کا سیاق و سباق

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سورہ توبہ باقی سورتوں کی طرح جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئیں، مدنی سورۃ ہے اور سورۃ الانفال کے بعد آتی ہے۔ یہ سب مدنی سورتوں کا ایک تسلسل ہے۔ آقا علیہ السلام کے وصال مبارک کے آخری زمانہ تک اس سورۃ کی آیات کا نزول ہوتا رہا۔ آخری زمانے میں نزول اس سورۂ مبارکہ کے مضامین کی حتمی اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ بات اس سے بڑی **relevant** ہے جو میں کہہ رہا ہوں اور یہ ایک خاص نکتہ ہے جس کی طرف اہل علم کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

سورہ توبہ یوں شروع ہو رہی ہے:

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ○ (۱)

''اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے بیزاری (و دست برداری) کا

(۱) التوبة، ۹: ۱

اعلان ہے ان مشرک لوگوں کی طرف جن سے تم نے (صلح و امن کا) معاہدہ کیا تھا (اور وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے تھے)o''

سن ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ اس آیۂ مبارکہ میں اسی معاہدہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ صلح حدیبیہ کے ایک ڈیڑھ سال بعد مشرکین اور کفارِ مکہ نے خود اس عہد کو توڑ دیا جس کے نتیجہ میں سن آٹھ ہجری کو فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا تو اس معاہدے کے مطابق امان دینے کا جو وعدہ اللہ رب العزت نے بدست رسول فرمایا تھا مشرکین مکہ کی طرف سے معاہدہ توڑے جانے پر اٹھا لیا۔ لہٰذا یہ سورۃ آپ کی حیات ظاہری کے دور اواخر میں نازل ہونے والی سورۃ ہے۔ سو جو کچھ اس سورۃ میں آئے گا وہ کسی چیز کا ناسخ تو ہوسکتا ہے منسوخ نہیں ہوسکتا، لہٰذا قرآن مجید نے اس دور میں جو بات فرما دی وہ حتمی اور آخری بات تھی۔ حرفِ آخر تو قرآن کی ہر بات ہوتی ہے، مگر قرآن کے اندر بھی چونکہ ناسخ و منسوخ کا عمل ہوتا ہے اس لحاظ سے جو کچھ اس سورۃ میں آ گیا یہ ان کلمات میں سے ہیں جو حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں، ناسخ ہیں اور ابد الآباد تک امت کے لئے قطعیت کا مقام رکھتے ہیں۔

آیۂ مبارکہ کے مضامین

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بڑے لطیف پیرائے میں مختلف مضامین سمو دیتے ہیں جن کا تعلق شانِ رِسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہے اور شانِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی۔ ذیل میں حسبِ ترتیبِ کلمات باری باری ان پر بحث کریں گے۔

ارشاد فرمایا:

ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ.(۱)

''درآنحالیکہ وہ دو (ہجرت کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے جبکہ دونوں

(۱) التوبۃ، ۹: ۴۰

(رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) غار (ثور) میں تھے۔‘‘

یعنی وہ دو جنہوں نے ہجرت کی ان دو میں سے دوسرے تھے اور وہ ایک رسول اللہ ﷺ اور ایک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ.

’’جب وہ رسول ﷺ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے فرما رہے تھے۔‘‘

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللهَ مَعَنَا.

’’غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔‘‘

فَاَنْزَلَ اللهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ.

’’پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرما دی۔‘‘

وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا.

’’اور انہیں (فرشتوں کے) ایسے لشکروں کے ذریعہ قوت بخشی جنہیں تم نہ دیکھ سکے۔‘‘

آج میں اس آیہ مبارکہ کے درمیانی حصہ پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ قبل اس کے کہ میں تفاسیر کی طرف آؤں، میں طریقہ یہ رکھوں گا کہ اس ایک آیت کو لے لیں گے۔ پھر وقت ہوا تو دوسری آیت کو لیں گے اور پھر تیسری آیت کو، پندرہ کی پندرہ آیات کو یہاں زیر بحث لانا ممکن نہیں۔ اسی آیت کے ذیل میں تفاسیر کو بھی لیں گے، احادیث کو بھی لیں گے اور اس کے اندر جو مضمون بیان ہوا اس کی شرح کو بھی لیں گے۔ (اِن شاء اللہ)

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی اِمتیازی شان

گفتگو کی ابتداء اللہ رب العزت کی توفیق سے یہاں سے کر رہا ہوں، ارشاد

فرمایا: ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ (وہ دو (ہجرت کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے)۔

اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِہٖ (جب وہ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق) سے فرما رہے تھے)۔

یہ قرآن مجید میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا بیانِ فضیلت ہے اور یہ ٹائٹل کائنات صحابہ میں کسی اور کو عطا نہیں کیا گیا۔ اس میں دو تین چیزیں اللہ رب العزت نے بطور نص صریح خود اپنی زبان الوہیت سے صادر فرما دیں۔

اَلۡحَمۡد سے وَالنَّاس تک ایک لاکھ اور چودہ ہزار یا چوبیس ہزار صحابہ کی جماعت میں سے ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی ایک فرد ہیں جن کی صحابیت پر اللہ رب العزت نے نصِ صریح کے ساتھ مہر تصدیق لگا دی۔ ان کو صحابی اللہ رب العزت نے خود قرار دیا ہے۔ کسی کے بارے میں آقا علیہ السلام نے بتایا کہ یہ میرے صحابی ہیں۔ کسی کی صحابیت کو تاریخ اسماء الرجال اور سِیَر کی کتب کے ذریعے علماء نے جانا اور ہمیں بتایا کہ فلاں فلاں حضور کے صحابی ہیں، لیکن قرآن کی نص میں ایک ہی شخص ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے اور یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں یعنی آپ کی صحابیت نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔

اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ غارِ ثور میں دو ہی فرد تھے۔ پھر اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ وہ دو کون تھے۔ ایک تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور دوسرے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس پر اہل سنت اور اہل تشیع کے کل علماء تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں، نہ اہل تفسیر میں نہ اہل حدیث میں نہ اہل سیر و مغازی میں نہ اہل تاریخ میں۔ یہ بات طے ہوگئی کہ یہ چیز عند المسالک متفق اور مسلم ہے، معتبر ہے کہ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی تھے جن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلام فرمایا اور اس پر قرآن مجید میں ارشاد ہوا: اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِہٖ۔

صحابیتِ صدیق رضی اللہ عنہ سے اِنکار صریحاً کفر ہے

اب اگر کوئی شخص آپ کی صحابیت کا انکار کرے تو وہ اِس نص قرآنی کے انکار کی وجہ سے کافر ٹھہرایا جائے گا۔ اس کے لئے مسلمان ہونے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

کیونکہ اس نے انکار کی صورت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار نہیں کیا بلکہ نصِ قرآنی کا انکار کیا ہے۔ باقی تمام مقامات جس جس کی شان میں بھی آئے ہیں تفسیر طلب ہیں، تاویل طلب ہیں، اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مثلاً اسی آیہ مبارکہ میں فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔ مفسرین کی مختلف آراء ہیں کہ یہاں ۂ کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ عَلَیْهِ کا مرجع کون ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہر چیز پر اقوال ہیں مگر جن دو باتوں پر کوئی دوسرا قول نہیں ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دوسرا کون تھا؟

۲۔ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ کہ جب وہ اپنے صحابی سے فرما رہے تھے۔

یہ قول واحد ہے۔ پھر یہ بھی مسلم ہے کہ ان آیات مبارکہ کا کوئی ناسخ نہیں۔ لہٰذا اس صحابیت پر بھی کوئی ناسخ آیت نہیں ہے جو اس فرمانِ الوہیت، کا نسخ کرے۔ اب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان صحابیت کے انکار کے لئے فرمانِ خدا سے بڑی دلیل چاہئے، قرآن سے کوئی بڑی حجت چاہئے جو آپ کی صحابیت کا انکار کر سکے یا نسخ کر سکے۔ مگر نہ خدا سے بڑی کوئی بااختیار ہستی ہے نہ قرآن سے بڑی کوئی دلیل ہے۔

جب قرآن نے دورِ اَواخر میں آیات کے نزول میں ان کو صحابی کہہ دیا تو وہ پھر قیامت تک اور اس کے بعد تک صحابی ہی رہے کیونکہ صحابیت ابھی تک منسوخ نہیں ہوئی اور اگر معاذ اللہ بعد از وصالِ رسول ان کی صحابیت میں کوئی نقص واقع ہو جانا ہوتا تو عالم الغیب اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی صحابی نہ کہتا۔ جس زبان نے آپ کو صحابی کہا وہ ماضی کو بھی دیکھ رہی ہے، مستقبل کو بھی دیکھ رہی ہے وہ عہد رسالتمآب کو بھی دیکھ رہی ہے اور بعد از وفات کیا ہونے والا ہے اس کو بھی دیکھ رہی ہے۔ وہ عہد صحابہ بھی دیکھ رہی ہے۔ بعد کا دور بھی اور اول کا دور بھی نگاہِ خدا کے سامنے ہے۔ جب سارے ادوار سامنے رکھ کر وہ خود فرما رہا ہے لصاحبہ: ابوبکر تم صحابی بنا دیئے گئے، تو جس کو خدا نے صحابی بنایا اس کی صحابیت کو کوئی اس وقت تک رد نہیں کر سکتا جب تک وہ خود کو خدا سے بڑا ثابت نہ کر دے اور ایسا کبھی ہو

ہی نہیں سکتا۔

لٰہذا آپ کی صحابیت کا انکار کرنا مطلقاً صحابیت کا انکار کرنا ہے جو نصِ صریح کا انکار اور کفر ہے۔ کسی مسلمان کے لئے گنجائش نہیں کہ وہ آپ کی صحابیت کا انکار کرے۔ جب صحابیت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایمان لانا قرآن پر ایمان لانا ہے تو آپ کو سمجھنا چاہئے کہ صحابی کا مقام و مرتبہ اور عزت و تکریم کیا ہے اور صحابی کو صحابی ماننے کا حق امت پر کس نوعیت کا ہے۔ اس سلسلے میں جو لوگ احتیاط نہیں کرتے اور محض سنی سنائی باتوں کی وجہ سے اکابر صحابہ پر تنقید کرتے ہیں انہیں اپنے ایمان کی حالت پر غور و فکر کرنا چاہیے۔

مضاف اور مضاف اِلیہ کا ایمان اَفروز تعین

ثَانِیَ اثْنَیْنِ کی تفسیر میں ایک اور قابل غور نکتہ ہے یعنی ثانی اثنین یہاں مضاف اور مضاف الیہ واقع ہوئے ہیں۔ یہ ایک خاص نکتہ ہے جس کی طرف مفسرین بالعموم نہیں گئے۔ میں نے بیشتر تفاسیر کو ممکنہ حد تک کھنگالا کہ جب یہ مضاف اور مضاف الیہ ہیں تو مفسرین مضاف کس کو ٹھہراتے ہیں اور مضاف الیہ کس کو ٹھہراتے ہیں۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ (دو کا دوسرا)۔ یا ان دو میں سے دوسرا۔ اس مضاف، مضاف الیہ کی تعیین کا خیال مجھے بالکل آخر میں آیا۔ تھوڑے وقت میں ممکنہ حد تک تفاسیر کو کھنگالا۔ ممکن ہے کسی نے لکھا بھی ہو مگر قلیل وقت میں وہ نظر سے نہیں گزری۔ زیادہ وقت دینے سے شاید نکل آئے۔ خیر اس بحث میں کوئی نہیں پڑا کہ یہ مضاف مضاف الیہ ہے اور یہ مانا ہے کہ دو کا دوسرا۔ تو میں نے سوچا اگر یہ کہیں نہیں ملا تو ہم اس بحث کا آغاز خود ہی کرتے ہیں۔

ثَانِی مضاف ہے اثْنَیْنِ کا، جو مضاف الیہ ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مضاف کون شخصیت ہے اور مضاف الیہ کون؟ مضاف الیہ تو معروف ہے کہ دو ہیں: اثْنَیْنِ آقا علیہ الصلوۃ و السلام اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ یہ تو اثْنَیْنِ کا معنی ہو گیا۔ اس میں تو کسی دوسری رائے کی گنجائش نہیں۔ اب بحث طلب اور غور طلب نکتہ یہ ہے کہ ثَانِی سے مراد کون

ہے۔ اب جس مترجم کو بھی دیکھیں گے وہ یہی ترجمہ کرے گا اور میں نے بھی یہی کیا ہے: ''وہ دو ہجرت کرنے والوں میں سے دوسرے تھے۔'' اب اس کے دو ہی امکان ہو سکتے ہیں کیونکہ تیسرا تو فرد ہی نہیں ہے۔ ثَالِثُ ثَلاَ ثَةٍ کی تو نوبت ہی نہیں آتی۔ فرد دو ہیں آقا علیہ السلام اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ لہٰذا مضاف (ثَانِی) سے مراد آقا علیہ السلام ہیں یا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ؟ مضاف (ثَانِی) سے اگر مراد آقا علیہ السلام کی طرف لی جائے تو اس کے وجوہ اور اسباب ہیں۔ اسی آیت کے سیاق و سباق میں اِلَّا تَنْصُرُوْهُ میں هٗ کی جو ضمیر ہے اس کا مرجع حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ میں هٗ کی ضمیر آقا علیہ السلام کے لئے ہے۔ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا میں بھی هٗ کا مرجع آقا علیہ السلام ہیں۔ تو سیاق میں اور پھر سباق میں آقا علیہ السلام کا مراد لینا بھی جائز بنتا ہے کیونکہ ان ضمائر کا مرجع حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

دوسرا امکان یہ ہو سکتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مراد لیا جائے۔ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ (جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے)۔ اس میں اور لَا تَحْزَنْ میں، ثَانِیَ اثْنَيْنِ کے بعد آیا اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اور اس کے بعد آیا لَا تَحْزَنْ، تو اس کے مخاطب بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر جو گھبراہٹ آئی وہ آقا علیہ السلام کے قلب اطہر میں نہ تھی۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا میں جو معیت خاصہ کا وعدہ کیا گیا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے یہ بھی آقا علیہ السلام نے خطاب کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخبر ہوتے ہوئے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتا رہے تھے یہاں بھی آقا علیہ السلام کی طرف اس کا رجوع ہوگا۔ دوسرا سبب اور وجہ مرجوع ہوگی۔ مگر دونوں کا جواز موجود ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس سے مراد آقا علیہ السلام کو لیا جائے، ثَانِیَ اثْنَيْنِ کے ساتھ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ ...... اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ یہ اس کے اَرجح ہونے کے قوی ثبوت ہیں اور گذشتہ ضمائر بھی میں نے بتائے ہیں جن کا مرجع آقا علیہ السلام کو مراد لینا ارجح ہے۔ ضمائر سیاق و سباق اس کو تقویت دیتے ہیں۔ اس صورت میں ثَانِیَ اثْنَيْنِ کا معنی یہ ہوگا: ''دو میں سے دوسرا'' یعنی آقا علیہ الصلوۃ والسلام جب وہ غار میں تھے اور اپنے

صحابی سے فرما رہے تھے کہ ابوبکر! نہ گھبرا، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اس میں ثَانِی سے مراد آقا ؑ ہیں۔ تو اگر یہ مراد ہو تو اس نص کا دلالت، اشارت اور اقتضاء ذہن کو ایک سمت لے جاتی ہے کہ اللہ رب العزت اپنے کلام میں حضور ؑ کو فرما رہے ہیں کہ ان دو میں سے دوسرا اپنے صحابی اور ساتھی کو یہ فرما رہا تھا: اے ابوبکر! نہ گھبرا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اِثْنَیْن میں صدیق اکبر ﷛ کی اَوّلیت ...... پہلی توجیہ

گویا اِثْنَیْنِ میں ثَانِی حضور نبی اکرم ﷺ کو فرمایا اور آقا ؑ مرتبے میں تو ثانی ہو نہیں سکتے، مرتبے میں تو وہی اول ہیں، وہ تو ثانی ہیں اِثْنَین کے عدد میں۔ تو اگر دوسرے سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہوئی پہلے سے مراد کون ہے؟ کیونکہ جب تک کوئی اول نہ ہو ثانی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لحاظ سے اول ابوبکر صدیق ﷛ بنے اور یہ بھی طے ہے کہ صدیق اکبر ﷛ کی اولیت مرتبے میں تو ہو نہیں سکتی تو پھر اولیت کس میں ہوئی؟

گویا حضور نبی اکرم ﷺ کو ثانی کہہ کر اللہ رب العزت نے یہ مہر ثبت کر دی کہ مرتبے میں تو مصطفٰی ﷺ اَوّل ہیں مگر ابوبکر ﷛ وفا میں تو اول ہے، غلامی میں تو اول ہے، میرے محبوب کی حفاظت میں سب کچھ لٹا کر چھوڑ کر آ جانے میں تو اول ہے، محبت میں تو اول ہے، ہجرت میں تو اول ہے، وفا میں تو اول ہے، ایثار میں تو اول ہے، جانثاری میں تو اول ہے، لہٰذا ابوبکر وفا میں اول ہوئے اور جب وفا میں اولیت صدیق اکبر ﷛ کی ہوئی تو دیکھئے ان کی فضیلت کہاں سے کہاں جا پہنچی؟

دوسری توجیہ

ثَانِیَ اثْنَیْنِ میں ثانی سے مراد حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ کسی کو دوسرے کا ٹائٹل دینا یا دوسرا کہنا بھی ایک معنی رکھتا ہے اور اس کے اسباب ہو سکتے ہیں کہ دوسرا کیوں کہا۔ یہ آیت ہجرت مدینہ کے بعد اتری۔ ہجرت مدینہ تو اس وقت ہوئی جب آقا ؑ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ آیت اتری ہے مدینہ طیبہ میں یعنی بعد

میں۔ اس کا مطلب ہے غار ثور کا واقعہ اس وقت بیان ہو رہا ہے جب وہ ہو چکا ہے۔ اب میں اس کی دوسری توجیہ کر رہا ہوں کہ باری تعالیٰ نے ثَانِیَ اثْنَیْنِ میں اپنے محبوب کو ثانی کیوں کہا؟ پہلی توجیہ تو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اب دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے:

باری تعالیٰ! بے شک غار میں دو تھے لیکن دو میں سے دوسرا محبوب کو کیوں فرمایا؟ آیات زبانِ حال سے جواب دیتی ہیں کہ تم نے غور نہیں کیا؟ کہ وہ دو غار ثور میں واقعۃً داخل کیسے ہوئے تھے؟ اور کیوں ہوئے تھے؟ اس نکتے کو سمجھنے سے پہلے آئیں ہم سفر ہجرت کی نوعیت کو ذہن میں لائیں۔ جب آقا علیہ السلام مکہ سے چلے آ رہے تھے تو آپ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ اکیلے تھے۔ تمام کتب سیَر میں، کتب حدیث میں اور کتب تاریخ میں اہل سنت اور اہل تشیع کی جملہ کتب میں میں نے خود پڑھا ہے، سب کہتے ہیں اور اس پر اختلاف نہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آقا علیہ السلام کی حفاظت اس طرح کر رہے تھے کہ کبھی آپ آگے چلتے کبھی پیچھے ہو جاتے، کبھی دائیں ہو جاتے کبھی بائیں ہو جاتے۔ آقا علیہ السلام نے پوچھا: ابوبکر سمجھ نہیں آ رہی کبھی میرے آگے ہو جاتے ہو کبھی پیچھے ہو جاتے ہو، کبھی دائیں کبھی بائیں یہ میرے ارد گرد گھوم گھوم کر چل رہے ہو اس کی وجہ کیا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی ذات اقدس اور جانِ پاک کے لئے دشمنوں کا خطرہ مسلسل میرے دل میں ہے۔ کبھی خیال آتا ہے کہ کوئی دشمن آگے سے حملہ کرنے نہ آ جائے تو آقا دوڑ کر آپ کے آگے ہو جاتا ہوں۔ آگے چلتے چلتے خیال آ جاتا ہے کوئی پیچھے سے وار نہ کر دے تو خیال کرتے ہی پیچھے ہو جاتا ہوں کہ پہلے مجھے تیر اور تلوار لگے۔ کبھی خیال آتا ہے کوئی دائیں طرف سے نہ آ جائے۔ ہوں اکیلا آپ کے ساتھ، کوئی دوسرا ہے نہیں سو کبھی دائیں ہو جاتا ہوں اور کبھی خیال آتا ہے تو بائیں ہو جاتا ہوں اس طرح چاروں طرف آپ کے گرد گھومتا ہوں۔ سبحان اللہ! محبوبِ کبریا کی حفاظت جاں نثاری اور محبت کے یہ انداز دیکھ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو ابوبکر پر کتنا پیار آ رہا ہوگا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس بے لوث دوست کی معیت اور محبت کو کتنی قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہوں گے۔

سفر تو اس طرح سے طے کیا۔ اب آ گیا غار کا دہانہ۔ جب غار میں داخل ہونے کی بات ہوئی تو قرآن کہتا ہے: اذھما فی الغار : جب دونوں غار میں تھے۔ یہ غار کے اندر ہونے کی بات ہے۔ میرا وجدان کہتا ہے یہ ان لمحات کا بیان ہے جب وہ غار میں تھے اور ثانی اثنین کی جو ترکیب ہے، یہ اشارہ ہے غار میں داخل ہونے کی ترتیب کی طرف۔ سوال یہ پیدا ہوا تھا کہ حضور کو ثانی کیوں کہا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اول کیسے ہوگئے ؟ تو جواب آتا ہے : تم نے غارِ ثور کا منظر نہیں دیکھا؟ راستے میں تو آگے پیچھے دائیں بائیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چلتے رہے، اب غار ثور آ گئی، یہاں عشق کا ایک اور امتحان تھا محبت خلوص اور وفا کا ایک اور امتحان تھا۔ قربان جائیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عشق پر جس نے انہیں اس گھاٹی سے بھی کامیابی کے ساتھ گزار دیا۔ غار میں داخل ہونے کا وقت آیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آقا! آپ باہر رہیں پہلے میں جاؤں گا۔ ممکن ہے کوئی سانپ یا اور مہلک چیزیں ہوں سوراخ ہوں۔ تو جس نے ڈسنا ہے میری جان لے لے۔ اس لیے پہلے میں جاؤں گا آپ ٹھہرے رہیے۔ جب آپ کو بلاؤں تب آپ غار میں تشریف لائیے۔ تو غار میں داخل ہونے والا پہلا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے تحفظ کے لئے اندر گئے جہاں سوراخ نظر آتا اپنے کپڑے پھاڑ کر اس سوراخ کو بند کر لیتے ۔ پھر اور سوراخ نظر آتا تو آپ ادھر کپڑے پھاڑ کر اسے بند کر دیتے۔ سارے سوراخ اپنے کپڑے پھاڑ کر بند کر دیئے۔ ایک سوراخ بچ گیا اس کے لئے اضافی کپڑا نہ بچا کہ ستر بھی تو رکھنا ہے۔ تو وہاں اپنی ایڑھی رکھ دی کہ اگر کوئی سانپ ہے تو آ کر مجھے ڈس لے، میرے محبوب کو نہ ڈسے۔ سارے سوراخ بند کر لیے۔

دو میں سے اول پہلے اندر گیا۔ تب عرض کیا آقا ! اب آپ آ جائیے۔ اس طرح غار میں داخل ہونے کے اعتبار سے حضور دو میں سے دوسرے ہوئے۔ اور ثانی اثنین کہہ کر صدیق کی وفا کا حال بیان کر دیا۔ اس طرح در اصل ایک بڑا لطیف اشارہ کیا کہ کسی کا ذہن اس طرف جائے اور سوچے کہ حضور دو میں سے دوسرے کیوں ہوئے۔ تو

اشارہ کیا اس لئے ہوئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے روک دیا تھا کہ حضور پہلے اگر کوئی جان لیوا چیز ہے تو مجھے اپنی جان دینے دیجئے۔ بعد میں آپ آیئے۔ تو غار میں داخل ہونے میں آقا علیہ السلام دوسرے تھے اور جان دینے کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے تھے اس جہت میں ضمائر اور سیاق و سباق قوی دلالت کرتے ہیں کہ آقا علیہ السلام ہی کو مراد لیا جائے اس لئے میں نے اسے ارجح کہا اور قرآن مجید کا سیاق بھی یہی تقاضا کرتا ہے کہ ارجح بات تھی۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ کی دوسری تفسیر

اب دوسری تفسیر کا امکان بھی چونکہ ردّ نہیں ہو رہا۔ تو اگر اِمکاناً ثَانِی سے مراد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لیا جائے تو اَوّل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئے۔ اس دوسرے امکان مرجعیت کی بنیاد پر قرآن کی نص وارد ہوئی کہ محبوب تمہارے بعد شان میں ثانی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے، یہ توجیہ مرجوع ہے۔ امکان کے لئے میں نے بیان کر دیا اور ارجح پہلے بتادیا۔ یہ ثَانِیَ اثْنَیْن کی تنقیح ہے۔

هُمَا کی ضمیر سے معیتِ دائمی پر استدلال

اسی آیت کے اندر دوسرا نقطہ توجہ طلب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ **اِذْ هُمَا فِی الْغَار** میں هُمَا کی ضمیر میں دونوں کا یکجا ذکر کر دیا۔ قرآن اور حدیث نبوی میں بہت کم ایسا ہوتا ہے : اللہ تعالیٰ اپنا ذکر کرتے ہوئے اس ایک ضمیر میں کسی مخلوق کو ساتھ شامل نہیں فرماتا۔ بالعموم طریقہ یہی ہے اللہ اپنا ذکر کرے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بھی ہو اور ھما تثنیہ کے صیغے میں دونوں کا ذکر اکٹھا ہو جائے، قرآن و حدیث میں ایسا بالعموم نہیں ہوتا۔ مگر متفق علیہ حدیث میں اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ضمیر میں جمع کئے گئے ہیں، جہاں فرمایا:

ثَـلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الإِيْمَانِ: أَن يَكُوْنَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ

أَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ.[(۱)]

’’جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس کو پا لے گا: اللہ ﷻ اور اس کا رسول ﷺ اسے باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں، جس شخص سے بھی اسے محبت ہو وہ محض اللہ ﷻ کی وجہ سے ہو، کفر سے نجات پانے کے بعد دوبارہ (حالتِ) کفر میں لوٹنے کو وہ اسی طرح ناپسند کرتا جیسے وہ خود کو آگ میں پھینکا جانا ناپسند کرتا ہو۔‘‘

اِس حدیث مبارکہ میں لفظ ھُمَا کی ایک ہی ضمیر استعمال کی گئی ہے جو تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو جمع کیا گیا ہے۔ پھر رسول ﷺ کی شان تو اس سے بھی ماوراء ہے یہ تو تثنیہ کے صیغے میں جمع کیا۔ رسول ﷺ کا ذکر تو قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے کئی مقامات پر اپنے ساتھ واحد کی ضمیر میں فرمایا۔ اسی سورۃ توبہ میں بھی صرف ضمیر واحد میں اپنے اور اپنے حبیب کو جمع کر دیا۔ وہاں تو صیغہ بھی تثنیہ کا نہیں کیا۔ کئی جگہوں پر توحیدِ ضمیر ہے۔ یعنی ایک ہی ضمیر ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ.[(۲)]

’’اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہے کہ اُسے راضی کیا جائے۔‘‘

’’اُسے‘‘ کہہ کر بیک وقت خدا اور مصطفیٰ ﷺ دونوں مراد لے لیے۔ وہ تو یہ مقام ہے مگر ھُمَا میں بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے سوا کسی اور مخلوق کو شامل نہیں

(۱) ا۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب حلاوۃِ الإیمانِ، ۱: ۱۴، رقم: ۱۶
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان خصال من اتصف بهن وجد حلاوة الإیمان، ۱: ۶۶، الرقم: ۴۳
(۲) التوبة، ۹: ۶۲

فرمایا جاتا۔ احادیث میں اس طرح بھی آیا ہے: اَنَا وَ أَبُوْ بَکر وَعُمَر۔ (۱)

یعنی ذکر واؤ عاطفہ کے ساتھ کر دیتے ہیں مگر ایک ہی ضمیر جو تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اس میں اللہ رب العزت نے آقا علیہ السلام کو اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں کو الگ الگ ذکر کرنے کی بجائے یکجا کر دیا۔ درمیان میں واؤ عاطفہ نہیں لائی کیونکہ واو عاطفہ تغائر یعنی مغائرت اور جدائی چاہتی ہے۔ اس واؤ عاطفہ کی بجائے ایک ہی ضمیر جو تثنیہ کا صیغہ ہے اس میں جمع کر کے سیدنا صدیق اکبر کا بارگاہِ مصطفوی میں مقامِ معیت اور مقامِ جمع کا بیان فرما دیا ہے۔ یعنی ان کو بارگاہِ مصطفیٰ میں شانِ جمع حاصل تھی اور ان کی معیت حضور علیہ السلام کے ساتھ اس درجہ کی تھی کہ وہ آقا علیہ السلام کی ذات اقدس میں فنائیت سے متصف تھی رب کائنات دو کو یکجا ذکر فرما کر دراصل معیت تامہ اور معیت دائمی کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔ جس کو رب اپنے رسول مکرم سے اتنا قریب کر دے جو وہ شخص کبھی بھی زندگی میں تادم وفات اس رسول سے صدق و وفا میں دور نہیں ہو سکتا بلکہ بعداز وفات بھی دونوں ایک جگہ جمع ہیں اور قیامت کے دن بھی اسی ایک جگہ سے اُٹھیں گے۔

یہ اللہ رب العزت کے فرامین ہیں کسی اور کی کہی ہوئی باتیں نہیں۔ اب یہاں آ کر فرمایا جب آپ اپنے صحابی، اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (گھبرا نہیں، غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔ مَعَنَا میں پھر جمع کے صیغہ میں دونوں کو یکجا کر کے معیت و قربت کا اظہار فرمایا۔

اِیثارِ نفس سے فنائیت کا حصول

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پریشانی طے شدہ ہے۔ اہل سنت اور اہل تشیع کے ہر مفسر نے لکھا ہے کہ پریشانی انہیں اپنی جان کی نہ تھی، آقا علیہ السلام کی جانِ پاک کی

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب المزارعۃ، باب استعمال البقر للحراثۃ، ۲: ۸۱۸، رقم: ۲۱۹۹

تھی۔ ویسے بھی جب حزن ہوتا ہے تو دوسرے کے لئے ہوتا ہے، اپنی ذات کے لئے خوف ہوتا ہے۔ جب کسی محبوب کے لئے ہو تو وہ حزن ہوتا ہے۔ تو فرمایا **لا تحزن** یعنی میری جان کا میری زندگی کا غم نہ کر۔ **اِنَّ اللهَ مَعَنَا**۔ غم صرف حضور ﷺ کی جان پاک کا ہے مگر معیتِ الٰہیہ کا جب ذکر کیا جو اس کی معیت خاصہ ہے تو چاہئے تھا جب پیچھے **اِلَّا تَنْصُرُوْهُ** میں ضمیر واحد کی آرہی تھی۔ **فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ** میں بھی ضمیر واحد کی آرہی تھی۔ **اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** (جب کافروں نے نکالا)۔ تو یہاں بھی ضمیر واحد کی آرہی تھی، غم اور خوف بھی واحد حضور ﷺ کی جان اقدس کا تھا، اپنی جان کا خوف ہوتا تو غار میں پہلے داخل ہی نہ ہوتے، اپنی جان کا خوف ہوتا تو سارے کپڑے پھاڑ کر اپنی ایڑھی سانپ کے سوراخ کے منہ پر نہ رکھتے، جب ایڑھی اس اژدھا کے سوراخ کے منہ پر رکھ دی تو ثابت ہو گیا کہ صدیق اکبر ﷺ کو اپنی جان کا تو غم تھا ہی نہیں۔ غم تھا تو مصطفیٰ ﷺ کا غم تھا تو چاہئے تھا کہ جواب یوں آتا کہ صدیق! غم نہ کر، اللہ میرے ساتھ ہے وہ مجھے بچا لے گا۔ تو میری جان کا خوف کر رہا ہے، میری جان کو کوئی خطرہ نہیں، میری جان کی مدد کرنے والا اللہ ہے، میری زندگی بچانے والا اللہ ہے، میرے ساتھ اللہ ہے، یعنی مقتضائے حال یہ ہے کہ چونکہ غم جانِ مصطفیٰ کا ہے وہ دفاعِ جانِ مصطفیٰ ﷺ چاہتے ہیں تو فرماتے: **اِنَّ اللهَ مَعِي** کہ ''اللہ میرے ساتھ ہے'' مگر جب اللہ کی معیت خاصہ کی نعمت عطا کرنے کا وقت آیا، ہرچند کہ موضوع جانِ مصطفیٰ تھی، موضوع حضور کی جان پاک تھی اور آپ کی حیات طیبہ تھی۔ موضوع صدیق اکبر کی جان نہ تھی سیدنا صدیق اکبر کی جان کا خطرہ نہ تھا۔ لہٰذا سیاق اور تقاضائے کلام یہ تھا کہ فرماتے اللہ میرے ساتھ ہے۔

جب معیت خاصہ کی نعمت دینے کا وقت آیا تو حضور نے گوارا نہ کیا کہ میرا وہ وفادار صحابی جو میرے لئے اژدھا کے سوراخ کے سامنے اپنی ایڑھی رکھ کر اپنی جان سانپ کو دے کر بیٹھا ہے جس کی محبت کا، وفا کا اور جس کی کل قربت کا، معیت کا اور میرے ساتھ تعلق کا یہ عالم ہے کہ خود کو میرے لئے فنا کر کے بیٹھا ہے جب اس کی معیت کی باری

آئے تو میرا ذکر الگ ہو اور اس کا ذکر الگ ہو۔ کیونکہ جسے خدا کی معیت مل جائے وہ پھر ثانی نہیں رہتا، فانی ہو جاتا ہے۔ فنا تو وہ ہو گئے تھے جب داخل ہو گئے اور کپڑے پھاڑ کر سوراخ بند کر دیے اور ایڑھی رکھ دی اس اژدھا کے آگے تو انہوں نے اپنی فنائیت کا ثبوت تو دے دیا کہ وہ خود سے فنا ہو گئے۔ جسے اپنی جان کی فکر نہ رہے فقط محبوب کی جان کی فکر رہے اسی کو فنا کہتے ہیں۔ ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر غار میں اول داخل ہونے کے ایثارِ نفس نے انہیں فنا فی الرسول کی منزل تک پہنچا دیا۔

فنا کے بعد بقاے دوام کا انعام

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں فانی ہو جانے کے بعد اللہ کی معیت میں چونکہ اب باقی رہنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اب فنا کے بعد عطا کرنی تھی۔ ویسے بھی جسے اللہ تعالیٰ کی معیت خاصہ مل جائے اور وہ پہلے مرتبہ فنا میں ہو تو معیت خاصہ اسے فنا سے اٹھا کر بقا تک لے جاتی ہے۔ اب اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کی بجائے اگر فرما دیتے کہ ''میرے ساتھ اللہ ہے'' تو اس کا مطلب ہوتا کہ معیت تامہ اور بقاے دوام کا انعام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مختص ہے۔ اس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شامل نہ ہو سکتے لیکن قربان جائیں اللہ اور اس کے رسول کی محبت نوازیوں پر اس نے معیت میں بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شامل کر دیا۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو پہلے بھی باقی تھے بعد میں بھی باقی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بقاء سے تو کبھی انکار کا مسئلہ تھا ہی نہیں۔ رسول اور نبی فنا سے دو چار نہیں ہوتے، کجا سرورِ انبیاء کی شان بقا اور شانِ معیتِ الٰہیہ...... لہٰذا یہ تو مسئلہ ہی نہ تھا۔

اصل بات تو اس بندہ خاص ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت کو دوام دینے کی تھی۔ اس لیے جب معیت الٰہیہ خاصہ کی بات آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ وفا نے، جزاء نے، احسان نے، سخا نے، عطا نے گوارا نہ کیا کہ جب معیت الٰہیہ کا وقت آئے مجھے بقا ملے اور وہ فانی رہے؟ معنا کہہ کر فرمایا کہ اللہ کی معیت ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ ابوبکر! اگر میں باقی رہوں گا تو تو بھی باقی رہے گا اگر اللہ کی معیت خاصہ مجھے بقا دے گی تو تمہیں بھی بقا دے

گی اور تمہیں کون سی بقا دے گی؟ مَعَنَا جمع کا صیغہ ہے، پھر اضافت ہے چونکہ نَا دونوں کے لئے ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے بھی۔ مَعَنَا صیغہ متکلم ہے، جمع کے نَا میں دونوں شامل ہیں، تو مَعَ میں بھی دونوں شامل ہیں۔ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جب اللہ دونوں کے ساتھ ہے تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور طریقے سے ہو اور دوسرے کے ساتھ اور طریقے سے ہو۔ چونکہ وہ پہلے فرما چکا ہے: ثَانِیَ اثْنَیْنِ (دو میں سے دوسرا مصطفیٰ ہے)۔ تو یہ نہیں ہوسکتا کہ جب وہ اپنی شان معیت کے ساتھ ورود فرمائے تو مصطفیٰ کو ایک الگ چشمہ معیت میں سے دے اور ابوبکر کو کسی اور چشمہ معیت میں سے دے چونکہ مَعَنَا ایک کلمہ ہوا سو معیت کا وہ چشمہ بھی ایک ہوگا۔ جس سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیا اسی چشمہ معیت سے صدیق باوفا نے بھی پیا۔ جو بقا اپنی شان رسالت کے ساتھ تاجدارِ کائنات کو ملی وہی بقا شان صدیقیت کے ساتھ اس غلام تاجدار کائنات کو ملی۔

اب اس مَعَنَا نے معیت اور فنائیت کا مقام واضح کر دیا کہ آپ کا مقام، معیت کا تھا جو فنائیت میں بدل دیا گیا۔ جب اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ تھا تو معیت تھی اور جب فرمایا: إِنَّ اللّٰہَ مَعَنا تو معیت فنائیت میں بدل گئی۔

معیت کی دو اَقسام

معیت کی دو اَقسام ہیں: ایک معیت عامہ ہے جو ہر مومن کو حاصل ہے۔ سورۃ قاف کی آیت نمبر ۱۶ میں فرمایا:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِo

’’اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں o‘‘

سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۴ میں فرمایا:

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ.

’’وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔‘‘

گویا معیت عامہ ہر شخص کو اللہ نے دے دی وہ جہاں بھی ہے اللہ اس کے ساتھ ہے۔ پھر ایک معیت خاصہ ہے جو انبیاء کو حاصل ہوتی ہے مثلاً سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى○ (۱)

’’تم دونوں نہ ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں (سب کچھ) سنتا اور دیکھتا ہوں○‘‘

میں سن رہا ہوں تم کیا کہہ رہے ہو اور میں دیکھ رہا ہوں دشمن کیا کہتے اور کیا کرتے ہیں۔ سب سنتا دیکھتا ہوں۔ یعنی یہاں اللہ تعالیٰ خود متکلم ہے، یہ معیت خاصہ ہے۔

مخاطب کی بجائے متکلم کا صیغہ کیوں؟

اب ذرا غور کریں نہایت دلچسپ پیرایہ ہے۔ غارِ ثور میں بھی معیت خاصہ کا بیان ہے مگر اللہ نے بیان کا اسلوب بدل دیا۔ فرمایا اگر میں کہوں گا تو میں تو اسی طرح کہوں گا جیسے میں نے موسیٰ اور ہارون کو کہا تھا: اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ۔ كُمَآ۔ یہ جو دو کی ضمیر ہے اس میں پھر تثنیہ کی وجہ سے ایک فرق اور دوئی قائم رہتی ہے مخاطب کے صیغوں (كَ، كُمَا، كُمْ) میں ایک فرق قائم رہتا ہے کہ ’’میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔‘‘ صیغہ اگر مخاطب کا ہو تو پھر تین طریقے سے کہا جاتا ہے۔ تنہا ہے تو کہتا ہے مَعَكَ، دو ہوں تو کہا جاتا ہے: مَعَكُمَا، تین یا زائد ہوں تو کہا جاتا ہے: مَعَكُم۔ جیسا کہ اوپر آیت میں ذکر

(۱) طٰهٰ، ۲۰: ۴۶

ہوا۔ تو جب کسی کو صیغہ تکلم میں مخاطب ٹھہراؤں گا، تو اگر دو کی بات ہے تو میں کُمَا کہوں گا جیسے میں نے موسیٰ اور ہارون کو کہا تھا۔ کُمَا کہنے سے دوئی کا ایک تصور برقرار رہتا ہے اس لئے یہاں کُمَا کا صیغہ استعمال نہیں کیا حالانکہ یہاں بھی قرینہ یہی بنتا تھا۔ یہاں وہ قاعدہ اور اصول کیوں بدل دیا فرمایا: محبوب! وہ موسیٰ تھے یہ آپ ہیں۔ وہ حضرت ہارون علیہ السلام تھے، یہ تیرا ابوبکر ہے۔ لہٰذا اب یوں کرتا ہوں کہ آیت اُدھر بھی میں نے اتاری تھی یہاں بھی میں اتار رہا ہوں مگر اُدھر متکلم بھی میں خود تھا اور مخبر بھی میں خود تھا۔ یہاں یوں کرتے ہیں کہ کلام میں نازل کرتا ہوں مخبر آپ بن جائیں۔ آپ مخبر ہو کر جب میری خبر دیں گے تو آپ آپس میں کُمَا نہیں کہیں گے (کہ اللہ تم دونوں کے ساتھ ہے)۔ آپ صیغہ متکلم میں بولیں گے اور قاعدہ یہ ہے کہ مخاطب اگر تثنیہ ہو تو کُمَا اور جمع ہو تو کُمْ اور اگر خود متکلم آ جائے تو کلمہ واحد رہتا ہے یا جمع، تثنیہ اڑ جاتا ہے۔ عربی میں یا واحد متکلم اَنَا ہوتا ہے یا پھر جمع متکلم کے لئے نَحْنُ کا صیغہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں جمع کا اسلوب اپنا کر دو کا ذکر کیا کیونکہ جمع میں دو بھی آتے ہیں اور زیادہ بھی آ جاتے ہیں۔ محبوب آپ کہیے: اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ جب میں آپ سے خطاب کر رہا تھا تب تک آپ دو تھے۔ جب خدا کی معیت آ گئی تو مصطفیٰ اور ابوبکر ہیں تو اپنے اپنے مقام میں الگ الگ مگر اس معیت اور فنائیت نے انہیں اتنا قریب کر دیا ہے کہ اب وہ معیت کے مقام پر دو نہیں ایک ہو گئے ہیں۔ جمع ہو گئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ دیگر انبیاء کا اسلوب اپناتا تو فرماتا: ابوبکر! لَا تَحْزَنْ اِنَّنِی مَعَکُمَا (غم نہ کر میں تم دونوں کے ساتھ ہوں)۔ فرمایا: نہیں، محبوب! موسیٰ سے تو یہی بات کی تھی، اب تمہارے ساتھ بات بدل کے کرتا ہوں۔ وہ یوں کہ محبوب! کلام میرا ہی ہے لیکن مخبر آپ ہوں گے۔ اب یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود تو صیغہ نہیں بدلا، کیونکہ کلام الٰہی ہے، اس نے اتارا ہی اس طرح ہے جیسے زبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات نکل رہی ہے۔ اس نے کلام ہی اس انداز سے کیا کہ وہ بات زبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکلتی ہوئی لگ رہی ہے۔ اگر کلام و خطاب خود کرتا تو اِنَّنِی مَعَکُمَا کہنا پڑتا، اب کلام اس کا اترا اور خطاب حضور کر رہے تھے: یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ۔ جب

حضور ﷺ نے خطاب کیا تو کُمَا نہیں کہہ سکتے تھے، اس لئے کہنا پڑا: اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ وہ جو کُمَا میں غیریت تھی مَعَنَا میں مٹا دی گئی۔ دوئی نہ رہی۔ ابوبکر نے خود کو مصطفیٰ کی ذات میں یوں فنا کیا کہ رب نے مصطفیٰ ﷺ کی مصطفائیت میں صدیق اکبر کی صدیقیت کو بقا عطا کر دی۔

حضرات گرامی! قرآن مجید کی آیہ مبارکہ کے کچھ لطیف تفسیری نکات تھے جو آپ کے گوش گزار کئے۔ اب آیت مبارکہ کے اگلے حصے کی طرف آتے ہیں۔

سکینۃ کا نزول کس پر ہوا؟

ارشاد فرمایا گیا: فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ (اللہ نے ان پر اپنی سکینت یا سکون نازل فرما دیا)۔ اس پر مختلف اقوال ہیں، بعض ائمہ نے کہا کہ عَلَيْهِ سے مراد حضور علیہ السلام ہیں کہ حضور ﷺ پر سکینت نازل ہوگئی۔ مگر حضرت ابو العالیہ تابعی اور امام کلبی اور بعض دیگر مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ دو اقوال ہیں جو تمام تفاسیر میں آئے ہیں۔ ہر ایک نے اپنے اپنے دلائل دیے ہیں۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ وہ سکینت اور سکون جو قلب پر نازل ہوا وہ حضور ﷺ پر ہوا۔ سکون قرار کو کہتے ہیں اور جسے قرار مل جائے پھر وہ برقرار رہتا ہے۔ استقرار ہو تو استمرار بن جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا: تابعین سے لے کر متاخرین مفسرین تک یہی دونوں اقوال ہیں۔ بعضوں نے کہا: حضور علیہ السلام مراد ہیں؛ اور بعضوں نے کہا: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ چونکہ یہ ائمہ کے اقوال ہیں سو اپنے اپنے دلائل میں دونوں حق ہیں۔ ہمارا یہ طریقہ ہے کہ ائمہ جب بات کرتے ہیں تو ہمارا سرِتسلیم ان کے اقوال کے سامنے خم ہو جاتا ہے مگر کچھ انسان کے اپنے فہم کی ترجیحات بھی ہوتی ہیں۔ میں جب اس کو اس سیاق و سباق میں دیکھتا ہوں تو میرا رجحانِ طبع اور میرا رجحانِ تحقیق اس طرف جاتا ہے کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ۔ باقی ضمائر میں بے شک حضور علیہ السلام کی طرف ضمیریں مرجع ہیں کوئی شک نہیں مگر جب اللہ نے اپنی سکینت نازل فرما دی تو عَلَيْه سے مراد قلبِ ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ ہے۔ یہاں عَلَیْه کا مرجع ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ پوچھیں گے اس کا سبب کیا ہے؟ سبب یہ ہے کہ گھبراہٹ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں ہوئی تھی۔ گھبراہٹ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہوئی تھی۔ گھبراہٹ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ تھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان پاک کی فکر تھی۔ پریشان تو وہ ہوئے تھے۔ اس آیت کریمہ کے شان نزول میں بخاری اور مسلم سے لے کر باقی تمام کتب حدیث میں اور کل کتب تاریخ میں اور کتب تفاسیر میں بھی تمام جگہ پر ہر کتاب میں آپ کو اسانید صحیحہ کے ساتھ یہ لکھا ملے گا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار میں بھی پریشان تھے۔ سوراخوں کو بند کر لیا تھا اور جو سوراخ بچ گیا تھا اس میں اپنی ایڑھی لگا لی تھی کہ سانپ نے ڈسنا ہو تو مجھے ڈسے۔ اب غار کا دروازہ رہ گیا تھا۔ آپ تفاسیر کو اٹھائیے کتب حدیث دیکھیے، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ تک تمام کتب حدیث کتب تفسیر، کتب سیر، کتب تاریخ تمام علماء اہل سنت اور جمیع علماء اہل تشیع سب کے ہاں آپ کو یہ بات بلا اختلاف ملے گی کہ جب غار کے اندر بیٹھے تھے تو اس وقت ان کو یہ گھبراہٹ اور پریشانی لاحق ہوئی کہ ہرچند کہ مکڑی نے جالا تان لیا تھا اور اس کی افادیت تھی کہ کوئی سمجھے کہ اس کے اندر کوئی داخل نہیں ہوا کیونکہ جالا ٹوٹا ہوا نہیں ہے۔ لہٰذا اندر داخل کوئی نہیں ہوا۔ مگر انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی غار کے دہانے پر کھڑے ہو کر اپنے پاؤں کی طرف بھی دیکھ لے گا تو اتنا براہِ راست زاویہ ہے کہ وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ سو اونٹ اور نہ جانے کیا کیا انعامات مقرر ہو گئے تھے جن کے لئے لوگ چل پڑے تھے۔ سراقہ بھی آ نکلا تھا۔

اس پر دو احادیث ہیں ایک متفق علیہ جو زیادہ قوی ہے اور مکمل سند کے ساتھ کتب صحاح میں آئی ہے کہ آقا علیہ السلام نے اس موقع پر فرمایا: جب یہ سنا کہ وہ ہمیں دیکھ لے گا تو کیا ہوگا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللهَ مَعَنَا (غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔ (۱) اس سے ان کی گھبراہٹ دور ہوگئی۔ اس پر قرآن کہتا

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب مناقب المهاجرين وفضلهم منهم أبو بكر، ۳: ۱۳۳۶، الرقم: ۳۴۵۲

ہے: فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ۔ پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرما دی، اللہ نے ان پر سکونِ قلب نازل کر دیا۔ لیکن گھبراہٹ تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تھی، آقا علیہ السلام کو تو نہ کبھی پہلے تھی نہ اس رات تھی اور نہ کبھی بعد میں ہوئی۔ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان تھی کہ ان کو عشق مصطفیٰ میں اور دردِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گھبراہٹ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس چیز سے بلند ہیں۔ تو جسے گھبراہٹ تھی اس کے دل پر سکون اتارنے کی ضرورت تھی یا کہ دوسرے قلب پر اتارنے کی ضرورت تھی؟ گھبراہٹ اِس کو ہے سکون دوسرے کو ملے۔ نہیں، جس کے دل کو گھبراہٹ ہوئی اُسی کے دل پر سکون اترا۔

اگر پہلا قول مراد لیا جائے کہ براہ راست سکینتِ اِلٰہیہ قلبِ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اتری۔ اب اس قول کا نتیجہ کیا ہوگا اگر براہ راست سکینت الٰہیہ اللہ رب العزت کی طرف سے قلب ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اتری اور جب اللہ براہ راست سکینت اور قرار قلب پر اتارے تو اس دل میں کبھی تادمِ وفات عدم قرار آ سکتا ہے؟ اس دل میں کبھی تزلزل آ سکتا ہے؟ اس دل میں کبھی ملال آ سکتا ہے؟ کبھی وہ دل سکینت سے خالی ہوسکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل کبھی بعد از اں حالت قرار سے ہٹا ہوا تصور کیا جائے تو وہ قصور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے، وہ سکینت الٰہیہ کی کمزوری تصور ہوگی کہ وہ ان کے دل کو اتنا مضبوط نہ بنا سکی کہ وہ وفا پر قائم رہتے۔ جس دل پر اللہ کی سکینت براہ راست اتری اب دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے اس ابوبکر کا دل کبھی الٹ پلٹ نہیں ہوسکتا، اس کے دل میں کبھی وفا میں کمی نہیں آ سکتی، اس کے دل میں استقامت کم نہیں ہوسکتی، اس کے دل میں کبھی بھی قرار کا مقام کم نہیں ہوسکتا۔

اگر دوسرا معنی لیا جائے کہ آقا علیہ السلام کے قلب اطہر پر سکینت اتری اور میں نے عرض کیا کہ یہ بھی حق ہے، تو اس سوال کو بھی تو حل کرنا ہے کہ گھبراہٹ تو اِس دل میں ہے سکون اُس قلب پر اترا۔ اب یہ گھبراہٹ کیسے دور ہوگی اور کیسے ہوئی؟ اب اس دوسرے قول کے تحت توجیہہ اور تطبیق یوں بنے گی کہ جو سکونت اور جو نعمت قلبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

اترتی ہے اس کا فیض براہ راست قلبِ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پڑتا ہے، جو سکینت قلبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتری اُسی کا پرتو قلبِ ابوبکر علیہ السلام پر پڑا۔ تو گویا جو احوال و کیفیات قلب محمدی کے تھے اُنہیں احوال و کیفیات کا پرتو قلبِ ابوبکر پر پڑتا رہا۔ یہ معیت کا فیضِ خاص تھا۔ آقا علیہ السلام کے احوال کے ساتھ، اور آقا کے ظاہر و باطن کے ساتھ، اور آقا کی کیفیات اور مقامات کے ساتھ، اور آقا پر اترنے والی برکات کے ساتھ اس معیت کے رشتے میں وہ اتنے متحد و متصل ہو گئے تھے کہ جو نعمتیں ادھر اترتی رہیں وہی نعمتیں اور ان کا فیض اور ان کا پرتو اور عکس سیرت ابوبکر پر پڑتا رہا۔ تب جا کر عقدہ حل ہوتا ہے کہ سکینت اُدھر اتری گھبراہٹ تو ابوبکر صدیق کی دور کرنی ہے! براہ راست اتار کے کر دے یا قلب مصطفیٰ پر اتار کر دے اور اس کے فیض سے ابوبکر کو مالا مال کر دے۔

اس سکینت نے آپ کو معیت اور فنائیت کا مقام عطا کر دیا۔ اس وجہ سے وہ حکم آ گیا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔ اور یہ معیت اس طرح ہمہ وقت عطا کر رکھی تھی۔ معیت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا اس کے اوپر مفسرین اہل سنت کے حوالے دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کیونکہ اس میں تو بغیر شک و شبہ کے یہ بات درج ہے ہی۔ البتہ اہل تشیع کے اکابر مفسرین کی کچھ تفاسیر کے حوالے پیش کر دیتا ہوں۔ اہل سنت کی تفاسیر آپ کو معلوم ہیں جو کچھ اضافہ کیا میں نے عرض کر دیا۔

شیعہ مفسرین کی آراء

۱۔ شیخ ابوالفتوح رازی چھٹی صدی ہجری کے شیعہ علماء میں سے ایک نامور مفسر گزرے ہیں اور ان کی تفسیر رَوحُ الجِنَان ایک معتبر تفسیر ہے۔ ان کے حواشی آقائے حاج میرزا شیرانی نے تحریر کیے ہیں اور یہ تہران کی چھپی ہوئی ہے۔ اس آیت کریمہ کے تحت بیان کرتے ہیں:

وخلاف نیست کہ آں دو کس کہ در غار بودندم رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بود و ابوبکر۔

اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِه کے تحت بیان کرتے ہیں:

ایشاں ہر دو در غار بودند۔ می گفت صاحبش را یعنی ابوبکر و صاحب رفیق است اینجا۔(۱)

وہ کہتے ہیں کہ یَقُوْلُ لِصَاحِبِه سے مراد صرف اور صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ وہی اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحب و رفیق تھے اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے خطاب کیا۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تین روز تک تنہا غار میں رہے۔

یہی شیخ ابو الفتوح صفحہ نمبر ۳۶ پر امام محمد بن سیرین کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوئے کہ انہوں نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کچھ اس انداز کی باتیں کیں جن سے یہ بو آتی تھی کہ وہ انہیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینا چاہتے ہیں۔ ان کی باتیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ یہ تذکرہ حدیث پاک میں بھی آتا ہے مگر میں حوالہ اس کتاب کا دے رہا ہوں۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ یہ بات جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ تمہاری گفتگو کی غرض صرف یہ ہے کہ تم ابوبکر پر مجھے فضیلت دینا چاہتے ہو۔ سن لو!

واللّٰه! آں یک شب از ابوبکر که شب در غار بود که او در صحبت رسول بود بهتر بود از همه عمر عمر۔(۲)

”خدا کی قسم! وہ ایک رات جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خلوتِ غار میں گزاری فاروق اعظم کی ساری زندگی سے بہتر ہے۔“

شیخ ابو الفتوح رازی جو علامہ زمخشری اور امام بغوی جیسے مفسرین کے زمانے کے

(۱) ابو الفتوح رازی، رَوحُ الجِنَان و روح الجِنان، ۶: ۳۵، جزو: ۱۰
(۲) ابو الفتوح رازی، رَوحُ الجِنَان و روح الجِنان، ۶: ۳۵، جزو: ۱۰

ہیں، اپنی بہت بڑی معتبر اور ثقہ تفسیر رَوح الجِنان میں بیان کرتے ہیں کہ پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس رات جب تنہا حضرت ابوبکر حضور کے ساتھ خلوت میں تھے تو حضرت ابوبکر نے حضور کی شان میں کچھ اشعار پڑھے۔ اور کوئی تیسرا تو تھا نہیں، عاشق تھا محبوب تھا اور تیسرا کوئی درمیان میں نہ تھا۔ انہوں نے چار شعر بیان کئے خدا جانے ان کی آنکھوں نے اور دل کی آنکھوں نے کیا کیا پڑھا ہوگا اور کس طرح چہرۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر کس قرآن کی تلاوت کی ہوگی۔

۲۔ اہل تشیع مفسرین میں سے دوسری معروف کتاب **المیزان فی تفسیر القرآن** ہے جو علامہ سید محمد حسین طباطبائی کی ہے۔ یہ قم کی چھپی ہوئی ہے اس کے جزو ۲۰ میں سورۃ توبہ کی اس آیت اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ کے تحت مصنف لکھتے ہیں:

وَالمُراد بصاحبه هو أبوبكر قطعي.

قرآن کے حکم قطعی کے تحت صاحبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ گویا ان کی صحابیت کو انہوں نے حکم قطعی قرار دیا ہے۔

۳۔ اس کے بعد تفسیر کی تیسری کتاب سید ہاشم حسینی بحرانی کی **البرھان فی تفسیر القرآن** ہے جو قم ایران کی چھپی ہوئی ہے۔ اس کے جزو نمبر گیارہ میں سورۃ توبہ کی اسی آیت کے تحت وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوجعفر یعنی سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام ان کا قول روایت کرتے ہیں کہ غار میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں آقا علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں دشمنوں کی سازشوں کے پیش نظر خوف پیدا ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متوجہ ہو کر فرمایا کہ سکون اختیار کر۔ پھر اس کے اندر دو روایات ہیں ایک تو یہی ہے اور دوسری یہ کہ آقا علیہ السلام نے سیدنا صدیق اکبر کا خوف اور حزن اور ملال سماعت فرمایا جب انہوں نے عرض کی آقا اگر انہوں نے اپنے قدموں کی طرف بھی نگاہ دوڑائی تو ہمیں دیکھ لیں گے اور دشمن غار میں داخل ہو جائیں گے۔ تو آقا علیہ السلام نے ان کا یہ غم اور خوف دور کرنے کے لئے فرمایا: ابوبکر! اگر وہ ادھر سے داخل ہوئے تو ہم ادھر نکل جائیں گے۔ ادھر تو غار کا

دروازہ تھا ادھر سے داخل ہوئے تو ہم ادھر سے نکل جائیں گے۔ دست مصطفیٰ اٹھنے کی دیر تھی۔ ائمہ نے لکھا ہے کہ ادھر انگلی اٹھی اور پورا پہاڑ پھٹ گیا اور غار کی داہنی جانب ایک دروازہ کھل گیا اور اس دروازے سے سیدنا صدیق اکبر نے سمندروں پر چلتے ہوئے جہاز اور کشتیاں دیکھیں۔ یہ اللہ کی وہ سکینت اتری کہ مشاہدہ کرا دیا۔

اسی البرھان کی دوسری روایت کے مطابق جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، ادھر سے اگر انہوں نے دیکھ لیا تو اندر داخل ہو جائیں گے تو ادھر انہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس طرف اشارہ کیا اور انہوں نے دیکھا کہ غار کے اندر حضرت جعفر کشتی میں سوار سمندر میں سے آ رہے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر نے غار ثور کے اندر سے سمندر میں حضرت جعفر کے جہاز کا چلنا دیکھ لیا۔ اور وہ جو انصارِ مدینہ شب و روز ہجرت مدینہ کے انتظار میں تھے، آقا علیہ السلام نے غار ثور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کر کے مدینہ کے انصا کا نظارہ کرا دیا۔ یہ وہ سکینت تھی جو ان کے دلوں پر اتری۔ پھر اسی البرھان میں انہی خصائص کا حوالہ دے کر صاحب تفسیر اسنادِ مرفوع کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امیر المومنین سیدنا علی المرتضی سے پوچھا: آپ اس وقت کہاں تھے جب اللہ تعالیٰ غار میں اپنے نبی اور حضرت ابوبکر سے یہ فرما رہا تھا کہ جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے؟ امیر المومنین وہ دو تو وہاں تھے، ابوبکر اور نبی، لیکن آپ کہاں تھے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: تو برباد ہو وہ حضور کی حفاظت پر مامور غار میں تھے میں مکہ میں حضور کے بستر پر لیٹا ہوا تھا یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اژدھا کے منہ میں اپنی ایڑھی رکھ کر بیٹھے تھے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچ جائیں اور علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر جسم لٹا کے بیٹھے تھے کہ حملہ کریں تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ کر مجھے شہید کر دیں۔

۴۔ اسی طرح فیض کاشانی محمد بن مرتضٰی کی معروف تفسیر **کتاب الصافی فی تفسیر القرآن** تہران کی چھپی ہوئی تفسیر ہے۔ میں یہ بتا رہا ہوں کہ تعیین پر اختلاف نہیں ہے، باقی تو قرآن کی نص ہے۔ کاشانی فرماتے ہیں:

لم یکن معه إلا رجل واحد، اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ: غار ثور، إذ یقول لصاحبه: وهو أبوبکر لا تحزن، إن الله معنا.

جب ان کو گھبراہٹ ہوئی تو اس پر اللہ کی آیت نازل ہوئی فرمایا: غم نہ کر اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے اور مَعَنَا کہہ کر دونوں کا لفظ بھی گوارا نہیں کیا دونوں بھی نا میں آتے ہیں اور ہم سب بھی نامیں آتے ہیں۔ حضور کی زبان سے اس لئے کہلوایا کہ کُمَا کی شکل میں دو سمجھتے تھے اور دوئی وجود میں آتی تھی تا کہ فنائیت اس مقام تام پر پہنچے کہ تصور دوئی بھی نگاہ میں نہ آئے کہ وہ حضور میں فنا ہو کر حضور علیہ السلام کے انوار و تجلیات کا مظہر اتم بن گئے ہیں۔

۵۔ اس طرح حسین بن احمد الحسینی شاہ عبد عظیمی کی ایک معروف تفسیر **تفسیر اثنا عشری** ہے۔ آپ اگر پانچ سو کتب بھی اٹھا لیں جو اہل سنت و اہل تشیع تو اس کے تعین پر اختلاف نہیں ہے کہ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ سے مراد کون ہے اور ثَانِیَ اثْنَیْنِ میں دو کون ہیں اور بقایا تو قرآن کی نص ہے۔ اس پر اختلاف کی تو گنجائش نہیں رہتی۔ وہ بھی کہتے ہیں:

دو نفر بودند: حضرت پیغمبر و ابی بکر۔

۶۔ شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی کی تفسیر **مجمع البیان** تہران کی چھپی ہوئی ہے، سورۃ توبہ کی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ثانی اثنین یعنی أنه کان هو أبوبکر، اذ هما فی الغار، لیس معه ثالث.

کوئی تیسرا شخص نہ تھا سوائے رسولِ خدا اور رفیقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور آگے دیکھئے: **وهو أحد اثنین** وہ (ابوبکر) دو میں سے ایک تھے۔ ایک آقا اں تھے۔

ومعناه: وقد نصره الله منفرداً من کل شیء إلا من أبی بکر.

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فقد نصره الله** میں **ہٗ** کی ضمیر واحد کی ضمیر ہے کہ اللہ

نے ان کی مدد کی یعنی رسول پاک کی مدد کی۔ اب علامہ طبرسی مجمع البیان میں بیان کر رہے ہیں کہ جب اللہ نے فرمایا اللہ نے ان کی مدد کی اور ہ کی ضمیر واحد کی ہے یعنی رسول کی مدد کی تو اب وہ لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ نے جب حضور کی مدد کی تو یہ مدد خاص تھی جس نے حضور کو ہر شے سے کائنات کی ہر مخلوق سے، ہر وجود سے، ہر شخص اور ہر فرد سے منفرد کر دیا اور کسی اور کو اس وقت اس مدد میں شریک نہ کیا۔ حضور منفرد تھے ہر کوئی الگ رہ گیا۔ اگر کوئی حضور کے فیض میں شامل تھا تو ابوبکر صدیق شامل تھا۔ و اذ یقول لصاحبہ کے تحت لکھتے ہیں ہر ایک سے منفرد رکھا الا من ابی بکر ابوبکر کو اس نصرہ میں شامل کیا۔ اب جو منصورِ الٰہی ہو جائے جس کو اللہ کی مدد مل جائے اس کے قدموں میں کبھی تزلزل آ سکتا ہے؟ اگر پھر بھی تزلزل آ جائے معاذ اللہ تو وہ ابوبکر کے قدم نہیں ہیں۔ وہ کمزوری اور تزلزل خدا کی مدد میں ہے جو کہ ہو نہیں سکتی۔ بہت سی اور کتب ہیں مگر ایک آخری اور نامور حوالہ دینا چاہتا ہوں۔

یہ حوالہ علامہ شیرازی کی تفسیر نمونہ سے ہے جو ایران کی ایک معروف و معتبر تفسیر ہے۔ ان کے مطابق ثانی اثنین میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ:

جز ایں نفر واحد کہ همراه او نہ بود۔

سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ لہٰذا اس سفر پُر خطر میں اللہ رب العزت نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جس کو ہمسفری کا شرف عطا کیا وہ ابوبکر تھے۔ ان کے دل میں پریشانی اور گھبراہٹ لاحق ہوئی۔ کہتے ہیں کہ ان کی دلداری کے لئے یعنی صدیق اکبر کی دل داری کے لئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

محبوب گفت غم مخور خدا با ماست۔ لا تحزن ان اللّٰہ معنا۔

”میرے ساتھی غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

علامہ محمد حسین شیرازی تفسیر تقریب القرآن الی الاذھان کی جلد نمبر چار کے صفحہ نمبر ۸۸ پر لکھتے ہیں:

﴿إِذْ يَقُوْلُ﴾ الرَّسُوْلُ ﴿لِصَاحِبِهٖ﴾ أبی بکر ﴿لاَ تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا﴾.

''جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ غم نہ کھا، بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''

توجہ اِتحادی کا خصوصی فیضان

تین دن اور تین راتیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تنہا اپنے محبوب کے ساتھ رہے اور محبوب اپنے عاشق کے پاس رہا۔ نہ کوئی باہر سے دیکھنے والا کہ مکڑی نے جالا تان رکھا ہے نہ کوئی اندر ساتھ۔ اب جب ایسا واقعہ قرآن اور حدیث کی رُو سے سامنے آجائے اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہ ہو تو اس پر کچھ سوچنا چاہیے کہ وہ تین دن کرتے کیا ہوں گے۔ سوائے دیدار اور توجہ کے اور تھا کیا؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین دن تین راتیں چہرۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکتے دیدار کرتے رہے، نگاہیں چہرہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گڑھی رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ ان تین راتوں میں ابوبکر کے چہرے پر رہی۔ پوری ۶۳ برس کی عمر مبارک میں توجہ کئی لوگوں پر رہی، لوگ لمحہ توجہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شریک ہوتے تھے۔ لوگ شرکا تھے۔ توجہ بٹتی تھی۔ ہر کوئی حسب استعداد لیتا تھا مگر ۶۳ برس کی عمر مبارک میں تین دن اور تین راتیں ایسی آئیں کہ متوجہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور متوجہ علیہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور کے دیدار میں غرق تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یکا و تنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو:

☆ ایک توجہ کر دیں تو درخت زمین کا سینہ چیرتے ہوئے سجدہ ریز ہو جائیں۔

☆ ایک توجہ کر دیں تو چودھویں رات کے چاند کے ٹکڑے ہو جائیں۔

☆ ڈوبے سورج پر توجہ کریں تو سورج پلٹ آئے۔

☆ کنکریوں کو ایک توجہ دے دیں تو سنگ ریزے کلمہ پڑھنے لگ جائیں۔

☆ کسی کافر پر توجہ کر دیں تو وہ ایمان لے آئے۔

☆ لعاب کی توجہ دے دیں تو امراض رفع ہو جائیں۔

☆ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیں تو بڑھاپے تک سفید بال سر پر نہ آئے۔

جس سمت ایک توجہ دے دیں تو پورا عالم بدل جائے اور اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ جس ایک شخص پر تین دن اور تین راتیں یکتا و تنہا رہی اس کے احوال کہاں سے کہاں جا پہنچیں گے!

صوفیاء اور اَولیاء کی توجہ

ا۔ مولانا رومؒ کی بات سنیں ان کا بھی ایک نان بائی تھا ان کا نام آتش باز تھا۔ جو مہمان آتا وہ ان کے لئے کھانا پکاتے۔ ان کے نان بائی کے مزار کی مجاور ایک ۸۵ سالہ خاتون ہیں جن کو نان بائی کے مزار کی مجاوری اور نوکری کرتے ہوئے ۵۵ سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ میں جب پہنچا رات کے ۱۰ بجے تھے۔ میرا وہاں پہنچنے کا پروگرام مغرب سے چار گھنٹے پہلے کا تھا مگر ہم لیٹ ہو گئے۔ مزار کے اندر گیا تو خاتون نے کہا: آپ نے تو مغرب سے پہلے آنا تھا۔ اتنی دیر سے کیوں آئے؟ میں نے کہا آپ کو تو میرا ہی پتہ نہیں میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں آنا تھا یا نہیں۔ آپ کو خبر کیسے ہوئی؟ اس نے کہا: جن سے ملنے آئے ہیں انہوں نے بتا دیا تھا کہ مغرب سے پہلے کوئی آئے گا، سو آپ لیٹ آئے۔ جب کوئی مہمان آتا تو مولانا روم کے یہ نان بائی کھانا پکا دیتے۔ جو تیل لکڑیاں ہوتیں آگ جلا دیتے۔ ایک رات آپ کے عزیز مہمان پہنچے تو نہ لکڑی تھی نہ تیل۔ آپ نے آواز دی، نان بائی کو فرمایا: کھانا بنا کے لاؤ۔ اب پرانا زمانہ، نہ لکڑی نہ تیل اور تاخیر بھی گوارا نہ تھی۔ کہتے ہیں اس نے اپنے کپڑوں کو اور ٹانگ پر تیل چھڑکا اور

آگ لگا دی۔ اس آگ پر جو کچھ سالن روٹی بن سکا تیار کر دیا۔ اپنے کپڑے جلا دیئے ٹانگ جلا دی۔ چربی اور گوشت پگھل گیا۔ کھانا تیار کر دیا اور مہمانوں کو کھانا کھلا دیا۔ مہمان چلے گئے تو صبح نان بائی کو بلایا۔ پوچھا کوئی لکڑی تیل گھر میں تھا۔ عرض کیا: نہیں۔ تو یہ آگ کیسے جلائی؟ اس نے اشارہ کر دیا حضور اس طرح۔ بس اس وفا اور خدمت پر سینے سے لگایا اور توجہ دی اور مولانا روم نے نان بائی کو ولی بنا دیا اور وہ مقام عطا کر دیا کہ اولیاء بتاتے ہیں: مولانا روم کی اولیاء کے ساتھ مجلس بھی اس نان بائی کی درگاہ میں ہوتی ہے۔

۲۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک نان بائی تھا۔ اس نان بائی کی قبر مبارک بھی حضرت خواجہ باقی باللہ کی قبر انور کے ساتھ دہلی میں ہے۔ دن ہو یا رات، مہمان آتا تو نان بائی اٹھ کر کھانا کھلاتا۔ ایک رات دیر سے مہمان آئے، تیزی سے کھانا بنایا، خدمت کی، مہمان خوش ہوگئے۔ یہ پرانا طریق ہے۔ آقا علیہ السلام کے ہاں بھی حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ ہی کام کرتے تھے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوتے تو فرماتے: سلنی (ربیعہ! جو چاہو مانگو)۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں:

أَسْأَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِي الْجَنَّةِ. (۱)

''حضور! میں جنت میں آپ کی سنگت کا طلب گار ہوں۔''

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کے عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آقا اور کچھ نہیں مانگتا، یہ نوکری جو یہاں دے رکھی ہے جنت میں بھی یہی نوکری برقرار رہے۔

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الصلاة، باب فضل السجود والحث عليه، ۱: ۳۵۳، الرقم: ۴۸۹

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب وقت قيام النبي صلی الله عليه وآله وسلم من الليل، ۲: ۳۵، الرقم: ۱۳۲۰

۳۔ نسائي، السنن، کتاب التطبيق، باب فضل السجود، ۲: ۲۲۷، الرقم: ۱۱۳۸

سو نان بائی نے خدمت کی، حضرت خواجہ باقی باللہ خوش ہوگئے۔ فارغ ہوئے تو نان بائی کو بلایا۔ پوچھا: کیا مانگتے ہو؟ نان بائی سادہ آدمی تھا، سمجھ نہیں تھی کیا مانگنا ہے، کیا نہیں۔ کہنے لگا: اپنے جیسا بنا دو۔ حضرت خواجہ باقی باللہ نے ایک توجہ کی۔ اولیاء اللہ کی توجہ کی سات اقسام ہوتی ہیں۔ مختلف طریقوں سے توجہ دی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک قسم توجہ اتحادی ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کہ شیخ جب توجہ دیتا ہے تو مرید کے ظاہر اور باطن کو اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ متحد کر دیتا ہے۔ اس کا ظاہر بھی متحد اور متصل ہو جاتا ہے، اس کا باطن بھی باطن سے متحد ہو جاتا ہے۔ جو فیوضات شیخ کے ظاہر پہ ہوتے ہیں وہی کیفیات اس کے ظاہر پر وارد ہوتی ہیں۔ جو کیفیات شیخ کے باطن پر ہوتی ہیں وہ مرید کے باطن پر ہوتی ہیں۔ تو وہ ظاہر و باطن دونوں میں متحد بالشیخ ہو جاتا ہے۔ یہ توجہ اتحادی ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نے نان بائی پر اپنی اتحادی توجہ ڈالی۔ جب توجہ اتحادی کے بعد باہر نکلے تو کوئی پہچان نہ سکتا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کون ہے اور نان بائی کون۔ چہرے کے خد و خال بدل گئے تھے، رنگ و روپ بدل گیا تھا، چہرے کی شکل و صورت اور ہیئت میں بھی تغیر آ گیا تھا۔ ظاہر کے احوال بھی متحد ہوگئے تھے اور باطن کے احوال بھی حضرت باقی باللہ کے ساتھ متحد ہوگئے تھے۔ بس اتنا فرق تھا کہ باقی باللہ جو نکلے تو وہ ہوش میں تھے اور نان بائی مدہوش۔ چونکہ اپنی ریاضت اس درجے کی تو نہیں تھی، ظرف اس درجے کا مضبوط نہیں تھا، اپنی صلاحیت، استعداد اور جذب اس درجے کا نہیں تھا کہ اس کو جذب کر سکیں۔ ظاہر و باطن جو متحد ہوئے تو پہچانا نہ جا سکا کہ شیخ کون ہے اور نان بائی کون ہے۔ اتنا فرق تھا کہ یہ مدہوش تھے، جھومتے تھے۔ توجہ لے لی مگر برداشت نہ رہی اور تین دن حالتِ مدہوشی میں رہ کر وفات پا گئے۔ ان کی قبر حضرت باقی باللہ کی قبر کے ساتھ بنی۔ یہ تھی خواجہ باقی باللہ کی ایک پل کی توجہ۔

اب ذرا غور کریں غارِ ثور میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ تھی۔ لینے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک پل کی نہیں، تین دن اور تین رات کی توجہ تھی۔ اندازہ کریں کہ سیدنا ابوبکر

رضی اللہ عنہ کا ظاہر کتنا متصل ہو گیا ہو گا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر سے؛ اور باطنِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کتنا متصل ہو گیا ہو گا باطنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

کتے پر توجہ اتحادی اور معیت کے اثرات

توجہ کی دو مثالیں دی ہیں، ایک مولانا روم کی اور دوسری حضرت خواجہ باقی باللہ کی۔ یہاں توجہ کا ایک اور نکتہ سمجھانے کے لئے دو مثالیں اور ملاحظہ فرمائیں، ایک قرآن مجید سے اور دوسری احوالِ اولیا سے دے رہا ہوں۔

توجہ کی جو دو کیفیات بیان کیں ان میں انسان انسان کو توجہ دیتا ہے۔ ولی ولی کو توجہ دیتا ہے یا شیخ مرید کو توجہ دیتا ہے۔ لیکن اب مثال درجہ اسفل یا درجہ تنزل میں نیچے اتر کر دی جا رہی ہے۔ اس کے ناقل امام عبد الوہاب شعرانی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور دیگر ائمہ و محدثین بھی ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے اپنی کتاب ''امداد المشتاق'' میں لکھا ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ بغداد میں جس حلقے میں بیٹھتے تھے وہاں ایک کتا تھا۔ اس کو جب پتہ چل جاتا کہ حضرت جنید بغدادی کا حلقہ ہے تو وہ بھی جہاں مجلس ہو رہی ہوتی باہر آ کر کچھ فیصلے پر بیٹھ جاتا تھا، زیارت کرتا اور جب تک مجلس چلتی کتا بھی سامنے کچھ فاصلے پر حضرت جنید بغدادی کی زیارت کرنے کے لئے بیٹھا رہتا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ کو اس کی وفا اور وفا میں اس کی استقامت اتنی پسند آئی کہ ایک روز آپ نے اچانک اس کتے پر توجہ کر دی۔ خوش ہوئے اور خوشی کی نگاہ سے کتے کو دیکھا تو اس کے احوال بدل گئے۔ اس کے بعد اس کتے کا عالم یہ تھا کہ شہر بغداد کے جس چوک پر بیٹھتا ۲۰، ۳۰، ۴۰ کتے دو زانو ہو کر اس کے ارد گرد حلقہ بنا کر مؤدب ہو کر بیٹھ جاتے۔ سو توجہ نے کتے کا حال بدل دیا۔ کسی کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ بھلا ولی کی توجہ سے کتے کا حال کیسے بدل سکتا ہے؟ کتے کا یہ مجلس میں بیٹھنا اور اس کی اتنی استقامت بھلا ایسا بھی ہوتا ہے؟ خاص طور پر آج کل تو ایسی باتیں عجیب ترین لگتی ہیں۔ اگر ایسا خیال آئے تو تسلی کے لئے قرآن پاک میں سورہ کہف کا مطالعہ کریں۔

اصحاب کہف بنی اسرائیل میں سے تھے۔ جن تفاسیر نے تفصیل سے لکھا ہے ان کو پڑھیئے۔ امام فخر الدین رازی یا امام قرطبی کی تفسیر کو پڑھ لیجئے۔ ابن جریر اور حافظ ابن کثیر کو پڑھیئے، امام قرطبی نے بنیادی باتیں لکھی ہیں۔ اصحاب کہف سات ولی اللہ تھے جو بادشاہ کے ساتھ اختلاف کی بناء پر اپنی بستی سے رخصت ہوکر نکل کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا۔ اصحاب کہف کتے کو بھگانے کے لئے پتھر مارتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ظالم بادشاہ سے بچنے کے لئے کسی غار میں جا کر چھپنا تھا اور ڈر تھا کہ ظالم بادشاہ انہیں کہیں تلاش نہ کر لے۔ وہ کتے کو پتھر مارتے مگر وہ نہ جاتا۔ آخر کتے نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ مولا! مجھے زبان عطا کر۔ یہ تیرے بندے مجھے پتھر مار مار کر کیوں بھگا رہے ہیں۔ ادھر اصحابِ کہف کو ڈر تھا کہ کتا بھونکے گا اور لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ یہاں غار میں کوئی ہے تو بادشاہ کے لوگ انہیں گرفتار کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو زبان دی تو اپنی پچھلی دو ٹانگوں کے بل کھڑا ہوگیا اور اصحابِ کہف سے کہنے لگا: مجھے کیوں مارتے ہو؟ انہوں نے کہا تو کتا ہے بھونکے گا تو ظالم بادشاہ کو ہماری خبر ہو جائے گی۔ اس نے کہا: میں کتا ضرور ہوں مگر بھونکنے والا نہیں ہوں۔ اس طرح کتا غار کے سامنے بیٹھ گیا۔ اصحابِ کہف ۳۰۹ سال تک اندر لیٹے رہے اور اللہ پاک ان کی کروٹیں بدلتے رہے اور کتا بھی ان کے ساتھ وہیں موجود رہا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ.(۱)

”(اے سننے والے) تو انہیں (دیکھ لے تو) بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم (وقفوں کے ساتھ) انہیں دائیں جانب اور بائیں جانب کروٹیں بدلاتے رہتے ہیں۔“

اب یہ تو قرآن کی نص میں آ گیا کہ کبھی دائیں کروٹ اور کبھی بائیں کروٹ

(۱) الکہف، ۱۸: ۱۸

بدلتے تھے۔ مگر ائمہ تفسیر نے لکھا ہے کہ دائیں طرف پلٹنا اور بائیں طرف پلٹنا ہر چھ ماہ بعد ہوتا تھا۔ وہ چھ ماہ دائیں طرف اور چھ ماہ بائیں طرف لیٹتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سنگت میں شریک کتے کا بھی قرآن میں خصوصی ذکر فرمایا بلکہ اس کی نشست کا نقشہ کھینچ کر بتا دیا اور اسے قرآن کی آیت بنا دیا:

وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ. (۱)

''اور ان کا کتا (ان کی) چوکھٹ پر اپنے دونوں بازو پھیلائے (بیٹھا) ہے۔''

اگر کتا ۳۰۹ سال تک ولیوں کی چوکھٹ پر استقامت کے ساتھ بیٹھا رہا تو ہر روز کی دو گھنٹے کی مجلس میں شیخ جنید بغدادی کے لئے کیوں نہیں بیٹھ سکے گا؟ ائمہ تفسیر نے لکھا ہے کہ جب اندر اللہ رب العزت کے فیوضات اترتے اور اصحابِ کہف دائیں اور بائیں کروٹ بدلتے تو عین اسی وقت کتے کی کروٹ بھی دائیں اور بائیں بدلتی رہتی تھی۔ اندر ان کی کروٹ بدلتی اور باہر کتے کی کروٹ بدلتی۔ یعنی کتے کو ان کی چوکھٹ پر استقامت کے ساتھ بیٹھنے کے نتیجہ میں ان کی توجہ کا جو فیض ملا تھا وہ فیض الوہیت اللہ رب العزت کی طرف سے اس کے اصحاب کے ساتھ ربط قائم رکھنے کی وجہ سے ملا تھا۔ وہ فیض آسمان سے آتا تھا اور اصحاب کہف کو ملتا تھا کُتے کو نہیں ملتا تھا۔ اصحاب کہف جو فیض پاتے اس کا انعکاس توجہ کی شکل میں کتے کی طرف ہوتا، کیونکہ وہ ان کی چوکھٹ پر استقرار و استمرار اور وفاداری اور استقامت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ان کے فیض کا حصہ کتے کو ملتا اور یہاں تک ملتا کہ اس کی کروٹ بھی دائیں بائیں بدل جاتی۔ نتیجتاً وہ بھی اصحاب کہف کے ساتھ ۳۰۹ تک زندہ وسلامت رہا۔

آپ نے دیکھا کہ جب کوئی محبت میں اہل اللہ کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور وہ اسے اپنی توجہ کے ساتھ متحد کر لیتے ہیں تو جو کیفیات ان پر وارد ہوتی ہیں ان کیفیات کا پرتو اَصحابِ کہف کا کتا ہو تو اس پر بھی وارد ہوتا ہے۔ یہ قرآن مجید کی نص صریح میں بیان

(۱) الکہف، ۱۸: ۱۸

ہے۔ پھر اس کتے کو معیت بھی ملی۔ چونکہ کتے نے معیت اختیار کرلی اور معیت پر استقامت اختیار کرلی تو یہ کیفیات اور یہ احوال ۳۰۹ سال تک رہے۔ دھوپ سے، تپش سے اور گرمی سے ان کے جسم کو اللہ نے محفوظ اورسلامت رکھا۔ پھر انہیں اللہ نے زندہ کیا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتے سے کیا غرض تھی اللہ تعالیٰ کو؟ کتے کو زندہ و سلامت، تر و تازہ رکھنا تو نہ خدا کی غرض تھی نہ مقصود تھا۔ اس کی غرض تو اصحاب کہف کے ساتھ تھی کہ یہ اس کے بندے ہیں، اس کے ولی ہیں، لہٰذا ان کی حفاظت کروں۔ ۳۰۹ سال کے بعد اٹھے تو کہتے تھے:

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ. (۱)

''ہم (یہاں) ایک دن یا اس کا (بھی) کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔''

تین صدیاں گزر گئیں اور ان کے جسموں کا حال تک متغیر نہ ہوا تھا۔ رب کائنات نے ان کے جسم کو اتنا محفوظ رکھا۔ جہاں ولیوں کے جسم محفوظ رہے، تین سو سال تک کتے کا جسم بھی محفوظ رہا۔ اس کے احوال بھی بدلتے رہے۔ دراصل جب توجہ کرنے والے اور توجہ لینے والے کے مابین اتحاد ہو جاتا ہے تو توجہ لینے والے کے احوال میں تغیر واقع ہوتا ہے اور اس کی کیفیات توجہ کے ساتھ متصل ہو جاتی ہیں۔

یہ قرآن ہے اور قرآن نے بات یہاں تک پہنچا دی کہ اس کے بعد کہا کہ اگر تم پوچھو کہ وہ کتنے تھے؟ تو:

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ. (۲)

''(اب) کچھ لوگ کہیں گے: (اصحابِ کہف) تین تھے ان میں سے چوتھا ان کا کتا تھا۔''

---

(۱) الکہف، ۱۸:۱۹

(۲) الکہف، ۱۸:۲۲

ذرا طریقہ کلام ملاحظہ کریں۔ اللہ نے فرمایا:

وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ.(۱)

''اور بعض کہیں گے: پانچ تھے ان میں سے چھٹا ان کا کتا تھا۔''

کہنے والے اصحابِ کہف کا عدد گن رہے ہیں۔ ربِ ذو الجلال ان کے ساتھ ان کے کتے کو ملا رہا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ.(۲)

''اور بعض کہیں گے: (وہ) سات تھے اور ان میں سے آٹھواں ان کا کتا تھا۔''

یہاں لفظ دیکھئے: بعض کہتے ہیں سات تھے، رب کہتا ہے سات تھے تو آٹھواں ان کا کتا تھا۔ یعنی استقامت نے وہ معیت عطا کر دی کہ جہاں جہاں بھی اصحاب کہف کا ذکر قرآن میں آیا ان کے عدد کے ساتھ کتے کا ذکر بھی قرآن میں آیا۔ یہ کلام الٰہی ہے اور حق ہے؛ کوئی افسانہ، کہانی یا حکایت نہیں۔ تو قاعدہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کتا بھی توجہ پائے تو اس کے نتیجے میں اسے معیت کا ثمر ملتا ہے۔

یہ نکتہ اس لئے سمجھا دیا ہے کہ کوئی انکار نہ کرے کہ توجہ کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔ نہ اصحاب کہف کو صبح آ کے کوئی ناشتہ اور کھانا دے جاتا تھا نہ کتے کو کوئی چھیچھڑے ڈال جاتا تھا مگر بغیر کھائے پیئے وہ زندہ رہے اور بغیر کھائے پیئے کتا بھی زندہ رہا۔ تین صدیاں اس کی زندگی کس لئے برقرار رکھی۔ اصحاب کہف کو جو صوتِ سرمدی کا فیض ملتا تھا اس کا حصہ صحبت و قربت کی وجہ سے کتے کو منتقل ہوتا تھا۔

جب غار ثور میں تین دن اور تین راتیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آقا علیہ السلام کی یکسوئی اور یکجہتی سے جو توجہ خاص نصیب رہی وہ توجہ اتحادی تھی۔ کیا آپ اندازہ کر سکتے

(۱) الکہف، ۱۸: ۲۲

(۲) الکہف، ۱۸: ۲۲

ہیں کہ اس توجہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ظاہر و باطن کو کتنا بدل دیا ہوگا؟ ایک صادق اور متبع مرید پر اپنے شیخ کا فیضِ توجہ ہو تو آپ دیکھتے ہیں کہ مرید کی زندگی بدل جاتی ہے، اس کی ہیئت بدل جاتی ہے، وہ دیکھنے میں شیخ کی طرح لگتا ہے، اس کی عادات بدل جاتی ہیں اور یہ سب کچھ ارادی اور اختیاری طریقے سے نہیں استعارتاً بدلتے ہیں۔ توجہ کا فیض ہوتا ہے جس سے اس کے ظاہر و باطن میں انقلاب آتا ہے۔ جب توجہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو، غارِ ثور کی تنہائی ہو اور توجہ لینے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں تو آپ اندازہ کریں کہ توجہ کے فیض نے ان کے ظاہر و باطن کو تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر و باطن کے ساتھ کتنا متحد کر دیا ہوگا۔

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قدومِ مدینہ میں مماثلت

صحیح بخاری شریف (**كتاب المناقب، باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة**، ۳: ۱۴۲۱) کی حدیث نمبر ۳۶۹۴ ملاحظہ کریں۔ یہ حدیث ہر کسی نے پڑھی، ہر کوئی پڑھتا اور ہر شیخ الحدیث پڑھاتا اور ہر مدرسہ کا طالب علم پڑھتا ہے۔ ہر کوئی پڑھتا پڑھاتا ہے مگر اس کی شرح آج مجھ سے یہاں پڑھیں۔ صحیح بخاری کی کتاب **فضائل الصحابة** میں ہے کہ جب آقا علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تو ۱۲ ربیع الاول اور پیر کا دن تھا۔ جس دن ولادت تھی اللہ نے وہی دن قدومِ مدینہ کا رکھا۔ پھر وہی پیر کا دن اور وہی ۱۲ ربیع الاول کا دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا رکھا۔ میلاد کا دن ۱۲ ربیع الاول اور پیر، یہی دن قدومِ مدینہ کا اور یہی وصال مبارک کا۔ تین دن یکجا کر دیے، اس لئے کہ قدوم پیر کے دن استقبال کا جشن کیا اور مدینہ میں لوگ شاداں و رقصاں تھے اور **طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا** پر تالیاں بج رہی تھیں، دف بج رہی تھی۔ بچے اور بچیاں گلیوں میں نعرے لگا رہے تھے۔ بوڑھے چھتوں پر تھے۔ **يَا مُحَمَّد، يَا رَسُولَ الله** کے نعرے لگ رہے تھے اور استقبال کرنے والے جلوس کی شکل میں اکٹھے ہو رہے تھے۔

میں سوچنے بیٹھ گیا کہ اللہ نے ان تینوں مواقع کی ایک ہی تاریخ اور ایک ہی

دن کیوں رکھ دیا؟ یہ بات تو سمجھ میں آئی کہ قدومِ مدینہ کے دن جشن تھا۔ مگر جس دن ولادت ہوئی اس دن کس کو معلوم تھا کہ یہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں؟ اس دن تو دنیا والوں نے جشن نہ کیا۔ رب نے آسمانوں پر جشن کیا، ستارے بھیجے، سب کچھ ہوا مگر زمین پر جشن نہیں تھا۔ اس دن پتہ نہیں تھا کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں مگر ۱۳ برس کی بعثت کے بعد جب مدینہ داخل ہو رہے تھے تو ساری دنیا جانتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دن متحد کر دیے: ولادت، ہجرت اور وصال۔ اُس وقت تو خبر نہ تھی کہ یہ کون ہیں؟ آج ہر کوئی جانتا ہے کہ کون ہیں، سو پورے مدینہ میں جشن تھا۔ رب نے دونوں دن اس لئے متحد کئے کہ جو چاہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کا دن سمجھ کر منا لے، جو چاہے قدومِ مدینہ کا دن سمجھ کر منا لے۔

غارِ ثور میں قیام کا فیصلہ کیوں فرمایا؟

۱۲ ربیع الاول کا دن جشن کا دن ہے۔ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ میں قبا پہنچ گئے تو لوگ تین چار دن سے انتظار کر رہے تھے، خبر تو مل چکی تھی کہ مکہ سے چل پڑے ہیں۔ سفر کا بھی اندازہ تھا لیکن لوگوں کو نہیں معلوم تھا کہ تین دن غارِ ثور میں رک گئے۔ اب غور طلب نکتہ یہ ہے کہ غارِ ثور میں کیوں رکے؟ اس میں حکمت تھی۔ اللہ کا آخری پیغمبر معمولی کام بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم کے بغیر نہیں کرتا تو زندگی کے اس اہم سفر کے تین اہم ترین دِن غار میں کیسے بیٹھ کر گزارے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے سے قبل آیئے ہجرت کا منظر ذہن میں لائیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلتے ہیں۔ کفار و مشرکین نے گھیرا ڈال رکھا ہے، شہید کرنا چاہتے ہیں تو اس مجمع سے نکل کیسے گئے؟ تلواریں تان کر لوگ گھر کو گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ اس گھیرے کے اندر سے نکل کیسے گئے؟ تو جو نبی تلواروں کے گھیرے میں سے ان کی آنکھوں کے سامنے حفاظت سے نکل سکتا ہے وہ غارِ ثور میں رُکے بغیر حفاظت سے مدینہ کیوں نہیں جا سکتا تھا؟

چلیں نبی کی بات نہیں کرتے ہم اللہ رب العزت کی بات کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں جو رب کافروں کی تلواروں کے گھیرے حصار میں سے اپنے محبوب ﷺ کو محفوظ نکال کر لے جا سکتا ہے اس رب کو کیا حاجت ہے کہ اسے دشمنوں سے بچانے کے لئے تین دن غار کی تنہائیوں میں چھپائے رکھے۔ سیدھا نہیں لے جا سکتا تھا کہ جو کافر حملہ کرنے کی غرض سے آئے، نابینا ہو جائے؟ حضور ﷺ نے کنکریاں پھینکیں تو کفار نابینا ہو گئے۔ کسی کو کچھ نظر نہ آیا اور آقا ﷺ گذر گئے۔ تو جس طرح مکہ کی گنجان اور دشمن آبادی سے گزر گئے اُسی طرح اللہ کی قدرت سے مدینہ بھی چلے جاتے۔ مجبوری کیا تھی یا غرض کیا تھی؟ غرض کے اندر جھانکیں کہ جو رب بحفاظت تلواروں کے گھیرے سے نکال سکتا ہے وہ بہ حفاظت پہنچا نہیں سکتا تھا؟ تین دن اور تین راتیں غار میں کیوں روکے رکھا؟

میں نے جب اس نکتے پر غور کیا تو صحیح البخاری (کتاب المناقب، ۳: ۱۴۲۱، رقم: ۳۴۹۱) سے میری سمجھ میں کچھ اور بات آئی۔ صحیح بخاری اٹھایئے، مسلم اٹھایئے، متفق علیہ حدیث ہے کہ آقا علیہ السلام ابھی غار میں نہیں تھے باہر تھے اور سراقہ پہنچ گیا، آمنے سامنے ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھبرا کر عرض کرنے لگے: آقا! سراقہ آیا ہے۔ فرمایا: کوئی پرواہ نہیں آنے دو۔ جب سراقہ آ گیا تو آپ ﷺ نے اس کو دیکھا اور کہا: سراقہ کس لئے آئے ہو؟ کہنے لگا: ایک سو اونٹوں اور علاوہ ازیں بے حساب انعام و اکرام کا اعلان ہوا ہے، غریب آدمی ہوں، مقدر بدلنے کے لئے آیا ہوں کہ آپ کو گرفتار کر لوں گا اور اتنا مال ملے کہ میری نسلوں کا مقدر بدل جائے گا۔ آقا علیہ السلام نے توجہ فرمائی تو اس کا گھوڑا اپنی ٹانگوں سمیت پیٹھ تک پتھر میں دھنس گیا۔(۱)

سمجھانا یہ مقصود ہے بھلا کوئی کافر آ بھی جاتا تو کیا حضور ﷺ کو گرفتار کر لیتا؟ وہ جو ایک آ گیا تھا، کافی ہے کہ پہنچ تو گیا، مگر اس کے گھوڑے کی ٹانگیں پتھر میں دھنس

---

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ۳: ۱۳۲۳، الرقم: ۳۴۱۹

گئیں۔ اس نے توبہ کر لی، کلمہ پڑھ لیا اور عرض کی کہ حضور میری نسلوں کی توبہ مجھے یہ انعام نہیں چاہئے اب مجھے اور میرے گھوڑے کو نکال دیں، میں واپس چلا جاتا ہوں، ان کو کہوں گا کہ آپ اس راستے پر نہیں ہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توجہ فرمائی تو گھوڑا پتھر سے نکل آیا۔ ایک توجہ سے گھوڑا دھنسا دیا اور ایک توجہ سے گھوڑا نکال دیا۔ جب عالم توجہ کا یہ ہو تو ان کو تین دن اور تین راتیں غارِ ثور میں بیٹھنے کی حاجت کیا تھی؟ یہ تو متفق علیہ حدیث ہے اس کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اس مضمون کی دوسری حدیث السیرۃ الحلبیۃ (ج: ۲، ص: ۴۵) میں ہے۔
آقا علیہ السلام نے نکلتے ہوئے فرمایا: سراقہ! کہتے ہو غریب ہوں جبکہ میں تمہارے ہاتھوں میں شاہِ ایران کے سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ وقت گزرتا گیا۔ دس سال مدینہ کے گزر گئے۔ ڈھائی سال صدیقی دور کے گزر گئے۔ پھر سیدنا فاروق اعظم کا دورِ خلافت آ گیا۔ کتنا زمانہ بیت گیا جب آپ نے فرمایا تھا۔ مدت گزر گئی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایران فتح ہوگیا، مالِ غنیمت آیا، کسریٰ و ایران کا سامان آیا، مسجد نبوی کے صحن میں مال غنیمت کا ڈھیر لگ گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اس لشکر کے فوجی تھے، تقسیم کے منتظر ہیں اور امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تقسیم کرنے کے بجائے اس ڈھیر کے اردگرد چکر لگا رہے ہیں اور اس کے اندر بار بار ہاتھ مار کر کھنگالتے ہیں کسی چیز کو تلاش کر رہے ہیں۔ لوگ پوچھتے ہیں: امیر المومنین! کیا ماجرا ہے، آپ مالِ غنیمت تقسیم نہیں فرما رہے، کچھ تلاش کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہجرت کے سفر میں میرے آقا علیہ السلام نے سراقہ کو کہا تھا کہ تیری کلائیوں میں کسریٰ ایران کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ ایران آج سترہ سال کے بعد فتح ہوا ہے اور کسریٰ ایران کا سامان آیا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلا ہوا جملہ غلط نہیں ہوسکتا۔ اس کے سونے کے کنگن ضرور آئے ہوں گے، وہی دیکھ رہا ہوں۔ ایک صحابی دوڑے اور ڈھیر سے شہنشاہ ایران کے کنگن نکال کر امیر المومنین کو پیش کئے۔ ذرا منظر چشم تصور میں لائیں۔ وہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جن کے دورِ خلافت میں کوئی مرد سونے کی

انگوٹھی پہن کر مدینہ کی گلیوں میں چلنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ سونا پہننے پر مردوں کو کوڑے لگتے تھے۔ انہوں نے مجمع صحابہ میں سراقہ کو طلب کیا اور اپنے ہاتھوں سے اسے سونے کے کنگن پہنا دیئے۔ چونکہ سونا مردوں کے لئے حرام تھا اس لئے کسی نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ فرمانے لگے: ہم کیا جانیں، حلال کیا ہے، حرام کیا ہے؟ مردوں کے لئے سونے کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام کیا تھا، سراقہ کے لئے کنگن بھی وہی حلال فرما گئے۔

اب پھر آیئے اُسی سوال کی طرف کہ جب کیفیت یہ ہے تو تین دن اور تین راتیں راستے میں کیوں قیام فرمایا؟ غار میں کیوں بیٹھے رہے؟ نہ رب کمزور، نہ محبوب کمزور، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ بھی یَدُ اللہ یعنی اللہ کا ہاتھ۔ ایک مٹھی بھر کر مٹی پھینکی تو غزوہ حنین میں چالیس ہزار کفار کو نابینا کر دیا۔ ایک مشت خاک پھینکی تو مکہ میں سب تلوار تاننے والے کفار کو اندھا کر دیا اور ان کے اندر سے گزر کر نکل گئے، کسی کو نظر نہیں آئے۔ وہی نبی پھر غار ثور میں تین دن کیوں رکے؟

غور کیا تو اس کا جواب مجھے شب معراج سے ملا۔ یہ اسی طرح کا ماجرا ہے جس میں کوئی راز تھا۔ صحیح بخاری (کتاب الصلاۃ، ج: ۱، ص: ۱۳۵، رقم: ۳۴۲) کی متفق علیہ حدیث ہے۔ اللہ رب العزت کو معلوم تھا کہ نمازیں بالآخر پانچ ہی رہیں گی مگر پچاس نمازیں دے دیں۔ معلوم تھا کہ پلٹ پلٹ کر آئیں گے اور پانچ پانچ کر کے معاف کرتا جاؤں گا اور آخر میں پانچ ہی رہ جائیں گی۔ تو جب پانچ ہی دینا تھیں تو چکر کیا ضرور لگوانے تھے؟ پہلے ہی پانچ دے دیتے مگر ۵۰ نمازیں دے کر روانہ کر دیا۔ کیا اللہ کے علم میں نہیں تھا کہ نمازیں کتنی ہوں گی؟ یہ معاملہ در اصل اور تھا۔ اُدھر رجسٹر میں کوہ طور کی رات والی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک درخواست pending پڑی تھی جب عرض کیا تھا: رَبِّ اَرِنِی (اے رب! مجھے (اپنا جلوہ) دکھا)۔ جواب دیا تھا: لَنْ تَرَانِی (تم مجھے (براہ راست) ہرگز دیکھ نہ سکو گے)۔ یہ نہیں فرمایا تھا کہ کوئی نہیں دیکھ سکتا بلکہ کہا: تو نہیں دیکھ سکتا۔

کوہ طور کا واقعہ تو گذر گیا مگر ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے کہا کہ قبولیت فوری طور پر نہیں ہوگی، قبولیت کے لئے انتظار کرو۔ جب میرا محبوب جو مجھے دیکھنے والا ہے معراج کی رات مقام اَوْ اَدْنیٰ پر آئے گا اور میرا دیدار کر کے جائے گا تو اسے پچاس نمازیں دوں گا۔ عرفاء نے لکھا ہے موسیٰ علیہ السلام نے ۹ بار رَبِّ اَرِنِی کی درخواست کی تھی۔ فرمایا: تو چھٹے آسمان پر راستے میں کھڑے ہو جانا میں پچاس دے کر بھیجوں گا تو کہنا: یا رسول اللہ! آپ کی اُمت پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی، کم کروا لائیں۔ اور جب وہ آئیں تو ان کو دیکھ لینا۔ وہ پھر میرے پاس آئیں گے میں اکٹھی کم نہیں کروں گا، پھر پانچ کم کروں گا تمہاری درخواستیں نو (۹) ہیں۔ نو بار وہ مجھے دیکھیں گے۔ میری توجہ لے کر جائیں گے۔ (اب یہ توجہ اتحادی کا مضمون ہے جس میں ظاہر و باطن متحد ہو جاتے ہیں۔) میری تجلیاتِ ذات و صفات بھی لے کر جائیں گے۔ میرے جلوے کا پیکر بن کر جائیں گے، ان کو تکتے رہنا۔ ان کو تکنا ہی میرا تکنا ہو جائے گا۔ تم نے نو (۹) بار درخواست کی تھی وہ نو (۹) بار آئیں گے اور جائیں گے۔ معراج کی شب ان کو دیکھ لینا تمہاری طور کی دعا کی تکمیل ہو جائے گی۔ جس طرح شب معراج تکمیل دعا کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو کھڑا کر دیا کہ ان کے دیدارِ خداوندی کی تمنا پوری ہو جائے، غارِ ثور میں قیام کا بھی ایسا ہی راز ہے۔ یہ دن اور راتیں قدرت نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے مقدر کر دی تھیں۔ ظاہراً لوگوں سے بچ کر غار میں پناہ لی دراصل اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہلوے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بٹھا کر خصوصی توجہ اور تربیت کا اہتمام فرمایا۔ ان کی وفا اور عشق کے امتحان بھی لئے اور انہیں قربت و معیت کے بلند درجات بھی عطا فرمائے۔

خصوصی حالات کے لئے خصوصی تیاری

وصالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت میں بہت بڑے فتنے یک دم پیدا ہونے والے تھے۔ امت میں عام طاقت اور صلاحیت والا کوئی شخص اس صورت حال کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ پیدا ہونے والا تھا۔ نبوت کے پانچ جھوٹے

دعوے دارر پیدا ہوگئے تھے اور ان میں ایک عورت نے بھی سر اٹھا لیا تھا۔ قبائل مرتد ہو گئے۔ منکرین زکوٰۃ کا فتنہ آ گیا۔ لوگ کہنے لگے: ہم کیوں زکوٰۃ کا مال کیوں دیں؟ اپنے اپنے قبیلے پر لگائیں گے۔ اُدھر پانچ سو حفاظ اور قاری جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے اور حفاظت قرآن کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ مدعیانِ نبوت سے ٹکراؤ کا مسئلہ آ گیا۔ ایک طرف محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی اور دوسری طرف اتنا بڑا ہنگامہ خیز دور کہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان سے جہاد کرنے کا فیصلہ کرنے لگے تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آ کر ہاتھ تھام لیا اور کہا: امیر المومنین! اتنا سخت فیصلہ نہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں شکست ہو جائے اور مدینے کی باگ ڈور بھی ہاتھ سے جاتی رہے۔ اس لمحے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا: عمر! تم تو اسلام سے پہلے اتنے جری تھے آج کمزوری کی بات کر رہے ہو! خدا کی قسم! ساری دنیا پلٹ جائے، ابوبکر صدیق اپنے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے تحفظ کی ذمہ داری پوری کر کے رہے گا۔

یہ وہ ماحول تھا جو اللہ رب العزت دیکھ رہے تھے کہ ادھر آقا علیہ السلام کا وصال ہو گا اور معاً بعد انتہائی شدید چار فتنے سر اٹھائیں گے۔ جہاں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسا مضبوط ایمان اور اعصاب والا مرد دانا بھی گھبرا جائے گا۔ ایسے میں ان معاملات کو سنبھالنا کسی کی ذاتی بشری طاقت اور صلاحیت کے بس میں نہ ہو گا۔ اس کو سنبھالنا تدبیرِ نبوت ہی سے ممکن ہو گا اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی نے تو آنا نہیں۔ ان فتنوں کا مقابلہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود نہ کر سکتے تھے اس مقصد کے لئے انہیں قوت و تدبیر نبوت کی حاجت تھی۔ اس کی تیاری کے لئے تین راتیں اور تین دن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ دلائی تا کہ جب اسلام پر کڑا وقت آئے اور ہر ایک کے قدم ڈگمگا جائیں اور ہر کوئی لرزہ براندام ہو اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جری گھبرا جائیں اور قبائل الٹے پاؤں پھرتے جا رہے ہوں، مرتد ہو رہے ہوں، اُس وقت اسلام کو سنبھالا دینے کے لئے تدبیر نبوت والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ضرورت پڑے گی جن کے پاس قلب نبوت کی کیفیات ہوں گی۔ وہ کیفیات منتقل کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تین دن تین راتیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو توجہ دیتے رہے اور انہیں اس مقام کے لئے تیار فرماتے رہے۔ جب تیار فرمایا تو تیاری ایسی ہوئی کہ ظاہر و باطن دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متحد ہوگئے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر توجہ اِتحادی کے مظاہر

تین دن تین راتیں توجہ دے کر اپنے ظاہر و باطن سے متصل کرلیا تاکہ کڑے وقت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تدبیر نبوت اور قوتِ قلبِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور استقامتِ قلبِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض کے ساتھ کھڑا ہوجائے۔ خالی اپنی ذاتی استقامت اور استطاعت کام نہیں آئے گی۔ لہٰذا تیاری ہوگئی تو ظاہر و باطن کو متحد کردیا اور اتنا متحد کیا کہ جب اُس سفر ہجرت کے بعد مدینہ پہنچے اور اعلان ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ گئے ہیں تو دنیا جمع ہوگئی۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں:

فَقَامَ أَبُو بَكرٍ لِلنَّاسِ.(۱)

جب لوگ استقبال کے لئے پہنچے تو صدیق اکبر ان کے لئے پہلے ہی کھڑے تھے۔ بیٹھے ہی نہیں۔ وَجَلَسَ رَسُوْلُ اللهِ اور آقا علیہ السلام بیٹھ گئے۔ جب خادم اور مخدوم اکٹھے آئیں تو آقا کو بٹھایا جاتا ہے، غلام کھڑا ہوتا ہے۔ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لوگوں کے لئے کھڑے ہوگئے۔ لوگوں میں سے کچھ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہوا تھا اور کچھ وہ تھے جو مسلمان ہوگئے تھے مگر دیکھا نہیں تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کے لئے کھڑے ہوگئے۔ آپ لوگوں کے لئے اس طرح کھڑے تھے کہ وہ ہر آنے والے سے کہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ آپ لوگوں کی خدمت کا یہ فریضہ سر انجام دے رہے تھے۔ کچھ لوگ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے

---

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب هجرة النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وأصحابه رضی اللہ عنہم إلى المدينة، ۳: ۱۴۲۱، الرقم: ۳۶۹۴

ساتھ ہاتھ ملاتے تھے۔

آقا علیہ السلام مدینہ میں دن چڑھے تشریف لائے۔ دھوپ آچکی تھی، ۱۲ ربیع الاول کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار تھا۔ پھر جب لوگ آتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آکر ملتے اور سلام کرتے۔ اس صورت حال میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی آسانی کے لئے مزید اہتمام کیا۔ آپ کھڑے تو پہلے ہی تھے، اپنی چادر اٹھائی اور کھول کر آقا علیہ السلام کے سرِ انور پر تان کر غلاموں کی طرح کھڑے ہوگئے۔ **فَعرَفَ النَّاسُ رَسُول اللّٰہِ**۔ تب لوگوں کو صحیح طور پر معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔

یہ کہنا کہ جن لوگوں نے حضور کو نہیں دیکھا تھا وہ مغالطے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہاتھ ملاتے تھے، قرینِ قیاس نہیں۔ اس صورت میں کہ جب آقا علیہ السلام بیٹھے ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لوگوں کو بتانے کے لئے کھڑے ہیں تو مغالطہ کیسا؟ مغالطے کا تو امکان ہی نہیں تھا۔ پھر کیا تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا حسنِ تجلی اور چہرہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حسن ایک ہوسکتا تھا؟ کیا دونوں کے چہرے کا نور ایک ہوگا؟ جاہ وجلال اور جاہ و جمال ایک ہوگا؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاہانہ شان کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غلامانہ شان کے ساتھ کھڑے ہیں اور بتانے کے لئے کھڑے ہیں کہ یہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ پھر مغالطہ کیسا؟ واقعہ یہی ہوا کہ لوگ ان سے ہاتھ ملاتے مگر آپ نے سرکار کے سر انور پر چادر تان دی اور خود غلامانہ انداز میں ساتھ کھڑے ہوگئے۔ اب چادر تاننے سے بعض شارحین نے یہ اخذ کیا کہ دھوپ سے بچائیں۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوپ سے تو رب خود بچاتا تھا۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو جدھر جاتے بادل سایہ کرتا تھا۔ ابھی آقا علیہ السلام پانچ سال کے تھے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو چھوڑنے کے لئے آئیں اور آپ نے بتایا کہ آپ جدھر جاتے ہیں بادل ان پر سایہ کرتا ہے۔ اِن حالات کو دیکھ کر مجھے ڈر ہے کہ یہودی شہید نہ کردیں اس لئے امانت ہے میرا دل ڈرتا ہے۔ چار سال کی عمر میں

بادل سایہ کرتا تھا تو دھوپ کیسی؟[(۱)]

تمیں کتبِ حدیث کثیر طرق کے ساتھ روایت لاتی ہیں کہ آقا ﷺ نو سال کے تھے جب حضرت ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر پر گئے اور راہب بحیرہ نے دیکھا اور کہا انہیں واپس لے جاؤ یہ نبی آخر الزماں ہیں۔ پوچھا: کیوں؟ کیسے پتہ چلا؟ اس نے کہا خدا کی قسم میں نے دیکھا جدھر جاتے ہیں ایک تو ہر درخت انہیں سجدہ کرتا ہے اور جہاں بیٹھتے ہیں بادل سایہ کرتے ہیں۔ یہ نبی آخر الزماں کی علامت ہے۔ چار سال کے تھے تو بادل سایہ کرتے تھے، نو سال کے تھے تو بادل سایہ کرتے تھے ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی تجارت کے لئے شام گئے اور میسرہ غلام ساتھ تھا۔ واپسی پر حضرت خدیجہ نے غلام سے پوچھا: کیا دیکھا۔اس نے کہا: خدا کی قسم! جہاں جاتے ان پر بادل سایہ کرتا تھا۔ جب اطلاع ملی کہ آقا ﷺ آرہے ہیں تو حضرت خدیجہ سہیلیوں کو ساتھ لے کر چھت پر چڑھ گئیں اور جب حضور ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو چلچلاتی دھوپ تھی۔ خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا نے خود دیکھا کہ آپ ﷺ پر بادل سایہ فگن تھا۔ اُسی وقت فیصلہ کرلیا کہ وہ حضور ﷺ کو پیغام نکاح بھیج دیں۔ آقا علیہ السلام پر تو بادل کا سایہ بچپن سے آخر تک تھا۔ آپ کے لئے تو دھوپ سے بچنے کے لئے کسی چادر تاننے کی ضرورت نہ تھی۔

لہٰذا دھوپ تو سبب نہ تھی، پھر چادر کا سایہ کیوں کیا؟ اور سبب یہ بھی نہ تھا کہ آقا ﷺ کون ہیں اور غلام کون؟ خادم کون ہیں اور مخدوم کون؟ کیونکہ وہ کھڑے تھے اور حضور ﷺ بیٹھے تھے۔ ہر کوئی جانتا ہے جو کھڑا ہے وہ خادم ہے اور جو بیٹھا ہے وہ آقا ہے۔ اور کوئی چادر بھی تو بچھائی ہوگی حضور ﷺ کو بٹھانے کے لئے، پھر بیٹھنے کا انداز بھی بتا دیتا ہے کہ آقا یہ ہیں۔

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب المناقب، باب ما جاء في بدء نبوة النبي، ۵: ۵۹۰، الرقم: ۳۶۲۰

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۶۷۲

دراصل یہ سب غارِ ثور کی معیت اور توجہ اتحادی کا نتیجہ تھا۔ تین دن اور تین راتیں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ رہی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا چہرہ بدل گیا تھا۔ آپ کے چہرے پر چہرۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ ظاہر و باطن متحد ہوگئے تھے۔ باوجود اِس کے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے تھے اور وہ کھڑے تھے، شکل وصورت میں مشابہت اور ظاہر و باطن میں مماثلت غارِ ثور کی تین راتوں کی توجہ نے اتنی پیدا کردی تھی کہ دیکھنے والوں کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں اور غلام کون ہیں؟ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ معاملہ جان گئے کہ لوگوں کو مغالطہ لگ رہا ہے تو سمجھ گئے کہ مشابہت ہوگئی ہے، پھر چادر تان کر کھڑے ہوگئے تاکہ ہر دیکھنے والا یہ عمل دیکھ کر یقین کرلے کہ جو چادر تان کر کھڑا ہے وہ غلام ہے اور جو بیٹھے ہیں وہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

یہ غارِ ثور کی توجہ اتحادی کا نتیجہ تھا جس نے ظاہر و باطن متحد کردیا، اپنے احوال و کیفیات میں غرق کردیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بقا عطا کردی۔ سو جب اڑھائی سال وہ اسلام کے دفاع میں ایک ناقابلِ شکست پہاڑ بن کر کھڑے رہے تو وہ دراصل قوتِ صدیقی سے نہیں قوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھڑے تھے۔ تدبیر نبوت کے ساتھ کھڑے تھے۔ غار ثور میں تین روزہ قیام کا یہی سبب تھا۔ آپ پر تین دن اور تین راتیں غار ثور میں توجہ دینا مقصود تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کے ایام کی تیاری مقصود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آقا علیہ السلام کے وصال کے دن آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیل ہوئے تو حکم فرمایا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں اور آپ تین دن نماز پڑھاتے رہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابھی میں باہر نہیں آسکتا۔ لہٰذا کسی سے کہیں کہ نماز پڑھائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آواز دی، ادھر ادھر دیکھا، اتفاق سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے تو انہوں نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عرض کردیا اور انہیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کردیا، جب وہ کھڑے ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازیوں کی صفیں سیدھی کرنے کے لئے کہا اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو آپ سمجھ گئے کہ عمر نماز پڑھا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ مبارک سے سر انور باہر نکال لیا اور فرمایا: لَا لَا لَا۔ میں نے اس وقت نام تو نہیں لیا تھا مگر میں چاہتا ہوں کہ ابوبکر ابن ابی قحافہ نماز پڑھائے، اور کوئی نہ پڑھائے۔ تین دن اور تین رات تنہا جسے توجہ دے کر تیار کر کے لایا ہوں اس نے بڑے معرکے سر کرنے ہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا لَا لَا کہتے ہوئے بستر سے اٹھ کر باہر آ گئے کہ نماز ابوبکر پڑھائے۔(۱) اس کے بعد ہر کوئی اپنے وقت پر پڑھاتا رہے لیکن آقا علیہ السلام نے جس کو تیار کیا تھا اس کو اس توجہ سے تیار کیا تھا۔ یہ فلسفۂ غارِ ثور تھا۔(۱)

معیت کے ساتھ اِستقامت

توجہ اتحادی سے وہ معیت عطا کی کہ مشابہت ہوگئی۔ پھر اس مشابہت میں وہ استقامت عطا کی کہ آپ قوت تدبیر نبوت کے ساتھ اسلام کے دفاع پر مامور ہوگئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رب کائنات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مقامِ صحابیت دیا اور اس مقامِ صحابیت میں مقامِ معیت دیا، اسی میں مقامِ فنائیت دیا، اسی میں مقامِ بقائیت دیا۔ اس میں استقامت عطا کی اور استقامت کے ساتھ مقامِ صدیقیت دیا۔ اس کی الگ شرح ہے۔ مقامِ صدیقیت کے ساتھ مقامِ مرتضیت دیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کرایا ہے تو کسی پر احسان نہیں، یہ تو صرف رب کا مکھڑا تکنے اور اس کی رضا کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اعلان کر دیا:

وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰىO(۲)

''اور عنقریب وہ اللہ کی عطا سے اور اللہ اس کی وفا سے راضی ہو جائے گاO''

(۱) ابو داؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی استخلاف أبی بکر، ۴: ۲۱۶، رقم: ۴۶۶۱

(۲) اللیل، ۹۲: ۵

رب کائنات کا اعلان ہے کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گیا تو مقامِ رضا ملا، مقامِ صدق و حیاء دیا، مقامِ وفا دیا۔ کیا کیا نہ دیا؟ اتنا دیا کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مظہرِ اَتم بنا دیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

رفیقِ نبوت

اِک دن رسولِ پاک ﷺ نے اَصحابؓ سے کہا
دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مال دار
اِرشاد سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اُٹھے
اُس روز اُن کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسولِ امیں ﷺ کے پاس
ایثار کی ہے دست نِگر ابتدائے کار
پوچھا حضور سرورؐ نے اے عمرؓ
اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
مسلم ہے اپنے خویش و اَقارب کا حق گذار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار

اِتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار

لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اِعتبار

بولے حضور ﷺ چاہیے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار

اے تجھ سے دیدہ مہ و اَنجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوین روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول ﷺ بس

(علامہ محمد اِقبالؒ، بانگِ درا)